الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان

ایک مجلس کی تین طلاقیں

اور

اُن کا شرعی حل

مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ

ایک مجلس کی تین طلاقیں
اور
اُن کا شرعی حل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: ایک مجلس کی تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل

مصنف: مولانا عبدالرحمان کیلانی ؒ

اشاعت اوّل: ستمبر 2004

تعداد: 1100

زیر سرپرستی: ڈاکٹر حبیب الرحمان کیلانی

زیر اہتمام: نجیب الرحمان کیلانی فون: 7844157

ناشر: ڈاکٹر حافظ شفیق الرحمان کیلانی۔ انجینئر حافظ عتیق الرحمان کیلانی

مطبع: اُحد پرنٹنگ پریس 50 لوئر مال لاہور

قیمت: 45 روپے

ناشر: مکتبۃ السلام سٹریٹ نمبر 20، وسن پورہ لاہور

فون: 7844157-7280943
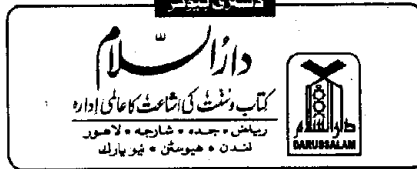
ہیڈ آفس و مرکزی شوروم 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ شاپ، لاہور

فون: 711 1023 , 711 0081 , 723 2400 , 724 0024 فیکس: 735 4072

E-mail: darussalampk@hotmail.com Website: www.dar-us-salam.com

شوروم اردو بازار اقرا سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 712 0054 فیکس: 732 0703

ایک مجلس کی تین طلاقیں

اور

اُن کا شرعی حل

مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ السلام

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کا بے حساب فضل وکرم ہے کہ آج محترم والد صاحب مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ کی تفسیر ''تیسیر القرآن'' اور دیگر کتب سے لوگ کثیر تعداد میں مستفید ہو رہے ہیں۔ ان کے مضامین میں سے ایک ''تطلیقِ ثلاثہ'' کا مسئلہ تھا۔ جو کہ بعض وجوہات کی بنا پر ابھی تک یکبارگی شائع نہ ہو سکا۔ طلاق کا مسئلہ کتاب وسنت میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اکٹھی تین طلاقیں دینا شرعی لحاظ سے سخت ناپسندیدہ ہے۔ اگر کوئی اکٹھی تین طلاقیں جہالت یا نادانی کی وجہ سے دے بھی دیتا ہے تو وہ ایک ہی واقع ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دورِ مبارک میں اسی طرح فیصلہ دیا تھا۔ اس کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پورے دورِ خلافت میں بھی ایسا ہی رہا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالوں میں اسی کے مطابق فیصلہ ہوتا رہا۔ تین طلاق کا قانون مقرر کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگ اس عرصہ میں پوری طرح سوچ سمجھ لیں۔ شاید اللہ ان کے اتحاد کی صورت پیدا فرما دے۔ جب لوگ بغیر سوچے سمجھے کثرت سے اسی طرح طلاق دینے لگے تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جس کام میں لوگوں کے لیے سوچ بچار کی مہلت تھی اس میں انہوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ کیوں نہ ہم ان پر تینوں لاگو کر دیں۔ پھر انہوں نے بطورِ سزا' ڈرانے دھمکانے کے لیے اور سیاسی طور پر تینوں طلاقیں لاگو کر دیں۔ اگر آج بھی ایسا مسئلہ پیش آئے تو نبی اکرم ﷺ کے فیصلہ کے مطابق وہ شرعاً ایک ہی طلاق ہوگی۔ مگر کچھ لوگوں نے اپنی خودساختہ علمی اور فقہی موشگافیوں سے اس کو ناقابل فہم بنا دیا ہے۔ اس اہم موضوع پر والد صاحب کے مضامین مجلّہ حرمین میں طبع ہوتے رہے۔ خیال تھا کہ جلد ہی انہیں اکٹھا کر کے باقاعدہ کتابی شکل دے دی جائے۔ مگر عزیزم قاری عرفان الحق صابر صاحب اس معاملے میں سبقت لے گئے۔ انہوں نے حافظ حامد محمود الحضری صاحب کے تعاون سے ان مضامین کو باقاعدہ ترتیب دی۔ لہٰذا اس کی

افادیت کے پیش نظر ہم اس عظیم علمی ورثے کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ تاکہ جو اس معاملے میں حق بات کا متلاشی ہو اسے کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

محترم مبشر احمد ربانی صاحب حفظہ اللہ علمی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ کمپوزنگ کے بعد میں نے یہ کتاب نظر ثانی کے لیے محترم ربانی صاحب کو دی۔ انہوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود اس کو بغور دیکھا۔ اور اس کے لیے بھرپور علمی مقدمہ بھی سپردِ قلم کیا۔ اللہ تعالیٰ محترم ربانی صاحب کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ ان کے شب و روز میں برکت عطا کرے اور ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ اسی طرح قاری عرفان الحق صاحب اور حافظ حامد محمود صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس عظیم کام کی طرف میری توجہ مبذول کرائی۔

محترم والد صاحب کی کتب کو بہترین انداز میں طبع کرنے پر دارالسلام کے معزز کارکنان بھی شکریے کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے امور میں برکت عطا کرے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہم سب کے لیے ہدایت و نجات کا ذریعہ بنائے۔ ہمارے والدین مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ اس کتاب کو محترم والد صاحب کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ ان کے لواحقین کو زیادہ سے زیادہ دین حنیف کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نجیب الرحمٰن کیلانی

جامع مسجد الایمان، شاہ فرید آباد، ملتان روڈ، لاہور۔

فون: 7844157

ooo

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھدان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ. اما بعد!

زیر تبصرہ کتاب ''تطلیق ثلاثہ'' مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ کی مرتب کردہ ہے جسے انہوں نے قاری عبدالحفیظ ریسرچ اسسٹنٹ ادارہ منہاج کے تعاقب میں مرتب کیا ہے۔
سہ ماہی مجلّہ ''منہاج'' اپریل 1987ء کے شمارہ میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں مولانا موصوف نے پرویز اور جعفر پھلواری کے ایک اعتراض کا جواب لاجواب اپنے مخصوص انداز میں تحریر کیا اور اس ضمن میں ''طلاق ثلاثہ'' کا معروف زمانہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ ادارہ منہاج نے حنفی مسلک کی وکالت کرتے ہوئے مولانا کے مضمون کو من وعن شائع نہ کیا بلکہ قاری عبدالحفیظ نے اس پر حواشی غیر مفیدہ کا اضافہ کر کے تردید ناسدید کے ساتھ طبع کیا۔ جس پر مولانا کیلانیؒ کا قلم حرکت میں آ گیا اور دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ساتھ اس کا مفصل جواب تحریر کیا اور کئی وجوہات سے ان کے استدلال کی خامیوں کو واضح کیا۔ اور قاری صاحب کی علمی بے بضاعتی اور تناقضات کا احسن پیرائے میں جواب سپرد قلم کر دیا۔

عصر حاضر میں طلاق ثلاثہ کا سلسلہ عوام الناس میں کثرت کے ساتھ جاری ہے آئے روز کوئی نہ کوئی شخص یہ مسئلہ لے کر ہمارے دارالافتاء میں بھی دستک دیتا ہے اور مفتیان عظام کے فتویٰ حلالہ سے نالاں ہو کر عزت وعصمت کے بچاؤ کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتا ہے اور کچھ ترغیب اور وعظ ونصیحت کے باعث وہ قرآن وحدیث کے مطابق زندگی بسر کرنے لگ جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک کتاب وسنت کی روشنی میں مجلس واحد کی متعدد یکجائی طلاقیں ایک طلاق

رجعی شمار ہوتی ہے۔ متعدد یکجائی طلاقیں خواہ زبانی کلامی ہوں یا کتابی وتحریری صورت میں ایک کاغذ پر مرقوم ہوں یا الگ الگ تین کاغذوں پر خواہ الفاظ طلاق، طلاق، طلاق کے استعمال ہوں یا اکٹھی تین طلاقوں کے بہر صورت وہ ایک طلاق رجعی شمار کی جاتی ہے جس میں مرد کو دوران عدت رجوع کا مکمل حق ہوتا ہے اور عدت گذر جانے پر نیا نکاح کر کے اپنا گھر دوبارہ آباد کر سکتا ہے۔ پھر اگر ایک طلاق کے بعد صلح کر لی اور دوبارہ طلاق دے دی تو دوران عدت پھر رجوع ہے اور عدت گذرنے پر نیا نکاح ہے اسی طرح زندگی میں پھر کبھی تیسری طلاق بھی دے ڈالی تو اب رجوع کا حق ختم ہو چکا اور اس مرد پر قطعی طور پر حرام ہو جائے گی لوگوں نے جو اکٹھی تین طلاقیں دینے کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے یہ ان کی جہالت کا شاخسانہ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ طلاق کا وقوع تبھی ہوتا ہے جب اکٹھی تینوں دے دی جائیں حالانکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا شریعت کے مطابق کتاب اللہ سے کھیلنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب ایک آدمی نے اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالیں تو آپ نے فرمایا ''ایلعب کتاب اللہ؟ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے (نسائی)۔ لہٰذا کتاب اللہ سے کھیل کھیلنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ علماء احناف کو اس کھیل و روش کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے نہ کہ انہیں حلالہ کا دروازہ دکھا کر مزید شرعی احکامات سے کھیل کا موقع دیا جائے۔ طلاق کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ

''طلاق (رجعی) دو دفعہ ہے یا تو اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا پھر شائستگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔'' (البقرہ:۲۲۹)

اس آیت کریمہ میں کلمہ ''مرتان'' قابل غور ہے جو کہ ''مرة'' کا تثنیہ ہے جس کا معنی ایک بار یا ایک دفعہ ہے، تو مرتان کا معنی ہوا ''مرة بعد مرة'' یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ نہ کہ محض لفظی تکرار اور اس کی مثالیں قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ.

''اے ایمان والو! تمہارے غلام لونڈیاں اور تمہارے نابالغ بچے تین اوقات میں

اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔ (۱) نماز فجر سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت جب تم آرام کے لیے اپنے کپڑے اتارتے ہو۔ (۳) اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردے کے اوقات ہیں''۔ (النور: ۵۸)

اس آیت میں ''ثلاث مرّات'' تین دفعہ کا معنی واضح کیا گیا ہے کہ یہاں تین الگ الگ اوقات ہیں نہ کہ زمانہ واحد میں تین اوقات کا اجتماع۔ اس سے واضح ہوگیا کہ ''مرتان'' کے لفظ میں تفریق کا مفہوم شامل ہے لہٰذا اس قاعدہ کے مطابق الطلاق مرتان کا معنی بھی لامحالہ طلاق دو دفعہ ہی ہے۔ اکٹھی دو طلاقیں ہرگز نہیں بلکہ دو الگ الگ مواقع میں طلاق دینا ہے اور ان ہر دو مواقع میں مرد کو دوران عدت رجوع کا حق حاصل ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں ''**طلِّقوا مرتین یعنی دفعتین**'' (تفسیر الکبیر ۱۰۳/۶) دو مرتبہ طلاق دو یعنی دو دفعہ طلاق دو پھر مزید فرماتے ہیں ''**ان الطلاق المشروع متفرق لان المرات لاتکون الا بعد تفرق بالاجماع**'' مشروع طلاق یہ ہے کہ الگ الگ طلاق دی جائے کیونکہ بالاجماع ''مرات'' تفریق کے بعد ہی ممکن ہے۔

علامہ زمخشری اپنی تفسیر ''الکشاف'' میں لکھتے ہیں ''**الطلاق بمعنی التطلیق کالسلام بمعنی التسلیم ای التطلیق الشرعی تطلیقة بعد تطلیقة علی التفریق دون الجمع والارسال دفعة واحدة**'' طلاق تطلیق (طلاق دینے) کے معنی میں ہے جیسا کہ سلام تسلیم (سلام کرنے) کے معنی میں ہے یعنی شرعی طور پر طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد طلاق دی جائے الگ الگ نہ کہ ایک ساتھ اور ایک دم اور ایک ہی بار میں۔

مولانا اشرف علی تھانوی کے استاذ شیخ محمد تھانوی حاشیہ (نسائی ۲۹/۲) بحوالہ مجموعہ مقالات علمیہ ص ۲۶ میں لکھتے ہیں:

''**الطلاق مرتان معناه مرة بعد مرة فالتطلیق الشرعی علی التفریق دون الجمع والارسال مرة واحدة**'' اسی طرح علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں ''**فان معناه التطلیق الشرعی تطلیقة بعد تطلیقة علی التفریق دون الجمع والارسال مرة واحدة ولم یرد بالمرتین التثنیة ومثله قوله تعالیٰ "ثم ارجع البصر کرتین ای کرة بعد کرة لاکرتین اثنین**'' (حاشیہ سندھی علی النسائی ۴۵۳/۶)

دونوں حنفی اکابر کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طلاق متفرق طور پر ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق ہونی چاہیے نہ کہ ایک ہی بار اکٹھی طلاقیں۔ مرتین سے مراد تثنیہ نہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔ ''پھر نگاہ کو تو بار بار پھیر''۔

یعنی ایک بار کے بعد دوسری بار نہ کہ اکٹھی ہی دو دفعہ۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رقمطراز ہیں ''**وکان القیاس ان لاتکون الطلقتان المجتمعتان معتبرة شرعا واذا لم یکن الطلقتان المجتمعتان معتبرة لم یکن الثلاث المجتمعة معتبرة بالطریق الاولی لوجودھما فیھا مع زیادة**'' (تفسیر مظہری) اللہ تعالیٰ کے مرتان فرمانے اور ثنتان نہ فرمانے میں ایک امر کی دلیل ہے کہ ایک ہی دفعہ دو طلاقیں دینی مکروہ ہیں کیونکہ مرتان کا لفظ عبارۃً تو تفریق پر دلالت کرتا ہے اور اشارۃً عدد پر اور الطلاق میں لام جنس کے لیے ہے اور جنس کے علاوہ کچھ نہیں پس قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ اکٹھی دو طلاقیں معتبر نہ ہوں اور جب دو طلاقیں معتبر نہ ہوئیں تو تین طلاقیں اکٹھی دے دینی تو بدرجہ اولیٰ معتبر نہ ہوں گی کیونکہ تین میں دو کے علاوہ اور زیادتی ہے۔ (تفسیر مظہری اردو ۱/ ۴۹۳)

امام رازی لکھتے ہیں: **ثم القائلون اختلفوا علی قولین الاول ھو اختیار کثیر من علماء الدین انه لو طلقھا اثنین او ثلاثا لایقع الا واحدة وھذا القول ھو الاقیس لان النھی یدل علی اشتمال المنھی عنه علی مفسدة راجحة والقول بالوقوع سعی فی ادخال تلک المفسدة فی الوجود وانه غیر جائز فوجب ان یحکم بعدم الوقوع**'' کثیر علمائے دین کا کہنا ہے کہ جو شخص بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیتا ہے وہ صرف ایک ہی واقع ہوتی ہے اور یہی قول قیاس کے سب سے زیادہ موافق ہے کیونکہ کسی چیز سے منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑے مفسدہ اور خرابی پر مبنی ہے اور وقوع طلاق کا قائل ہونا اس مفسدہ اور خرابی کو وجود میں لانے کا باعث اور سبب ہے اور یہ جائز نہیں ہے پس طلاق کے نہ واقع ہونے کا حکم لگانا واجب ٹھہرا۔ (التفسیر الکبیر ۶/ ۱۰۳) مذکورہ بالا تصریح سے واضح ہو گیا کہ قرآن کا منشا یہ ہے کہ وقفہ وقفہ بعد طلاق ہونی چاہیے نہ کہ ایک ہی دفعہ کئی طلاقیں۔ لہٰذا اکٹھی طلاقیں ایک رجعی طلاق کے حکم میں ہیں اور دو رجعی طلاقوں کے بعد اگر تیسری طلاق دے ڈالے تو عورت اس شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''**فان طلقھا**

فلا تحل له من بعد حتیٰ تنکح زوجًا غیره"

جو لوگ اکٹھی تین طلاقیں نافذ کردیتے ہیں وہ مرد کا حق رجوع ضبط کردیتے ہیں حالانکہ یہ حق اللہ نے اسے تفویض کیا ہے اور اللہ کا دیا ہوا حق ضبط کرنا سراسر ناانصافی اور ظلم ہے۔اسی لیے اللہ نے طلاق کو حدود اللہ قرار دیا ہے چنانچہ آیت کے آخر میں فرمایا "تلک حدود الله فلا تعتدوها ومن یتعد حدود الله فأولئک هم الظالمون ○ (البقرة: ۲۲۹)" یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔ معلوم ہوا کہ قانون الٰہی سے ہٹ کر طلاقیں دینا حدود اللہ سے تجاوز، ظلم اور تعدی ہے اور اکٹھی تین طلاقیں دینا بھی ظلم ہے اور کتاب اللہ سے مذاق ہے جیسا کہ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ اس نے اپنی اہلیہ کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا "ایلعب بکتاب الله وانا بین اظهرکم" کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ میری موجودگی میں کھیلا جا رہا ہے۔(سنن النسائی: ۳۴۰۱) فتح الباری ۹/ ۳۶۲) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلنا ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے لہٰذا اکٹھی تین طلاقیں نافذ کر دینا ظلم و تعدی کا نفاذ ہے۔اب اس سلسلہ میں احادیث صحیحہ ملاحظہ ہوں۔

رکانہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنی اہلیہ کو طلاق دے ڈالی تو بڑے مغموم و رنجور ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا معاملہ ذکر کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "کیف طلقتها قال طلقتها ثلاثًا قال فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تلک واحدة فارجعها ان شئت قال فرجعها" تم نے طلاق کیسے دی ہے؟ اس نے کہا میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ایک ہی مجلس میں۔اس نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک ہوئی ہے تم اس سے رجوع کرلو اگر چاہو تو۔اس نے رجوع کرلیا۔(مسند احمد ۱/ ۲۶۵ مسند ابی یعلیٰ: ۲۴۹۵، بیہقی ۷/ ۳۳۹ فتح الباری ۹/ ۳۶۳ اغاثۃ اللہفان ۱/ ۳۰۵ یہ روایت داؤد بن حصین از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔اس سند کو بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ محدثین نے صحیح قرار دیا ہے جیسے امام احمد بن حنبلؒ (مجموع الفتاویٰ ۳۳/ ۶۷ اعلام الموقعین

۲/۱۷۷، امام ابویعلیٰ (فتح الباری ۲/۳۶۲)، امام ابن کثیرؒ (تحفہ الاحوذی ۲/۱۹۶) امام یزید بن ہارونؒ (عون المعبود ۲/۲۳۹)، امام ابن تیمیہؒ (مجموعہ الفتاویٰ) محدث العصر علامہ ناصر الدین الالبانی (ارواء الغلیل ۷/۱۴۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری فرماتے ہیں "هذا حديث نص فى المسئلة لا يقبل التاويل" فتح الباری ۹/۳۶۲)

یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے جو کسی قسم کی تاویل قبول نہیں کرتی۔ شیخ احمد شاکرؒ فرماتے ہیں اسنادہ صحیح (تخریج مسند احمد ۴/۱۲۳) قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں "اخرجه احمد و ابو يعلىٰ و صححه و هذا الحديث نص فى محل النزاع" اس حدیث کو امام احمد اور ابویعلیٰ نے نکالا ہے اور ابویعلیٰ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور یہ حدیث محل نزاع میں نص ہے۔ (نیل الأوطار) نیز دیکھیں ترمذی باب ماجاء فى الزوجين المشركين يسلم احدهما (تحفہ الاحوذی ۲/۱۹۶) المستدرک علی الصحیحین ۲/۲۱۷ عمدۃ القاری للعینی ۱/۲۷۳ نصب الرایہ ۳/۲۰۹-۲۱۴

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى بكر سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدةً فقال عمر بن الخطاب ان الناس قداستعجلوا فى أمر قدكانت لهم فيه أناةٌ فلو امضيناه عليهم فامضاه عليهم" (المصنف لعبدالرزاق ۶/۳۹۱-۳۹۲ رقم الحدیث ۱۱۳۳۶) صحیح مسلم (۱۴۷۲) مسند احمد ۱/۳۱۴، المستدرک علی الصحیحین للحاکم ۲/۲۱۴ سنن الدار قطنی (۳۹۸۳) بیہقی ۷/۳۳۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں اس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی تھی پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بلاشبہ جس کام میں لوگوں کے لیے سوچ وبچار کی مہلت تھی اس میں انہوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔ کاش کہ ہم ان پر تینوں لاگو کردیں تو انہوں نے یہ طلاق ان پر لاگو کردی۔

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عہد رسالت مآب جس میں دین کی تکمیل ہوئی،

میں بھی اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق سمجھی جاتی تھی جس میں مرد کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اور یہ معاملہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور تک اسی طرح رہا پھر لوگوں کی عجلت اور جلد بازی کے باعث انہوں نے سیاسی اور تہدیدی طور پر تین لاگو کر دیں۔ یہ معاملہ ان کا اجتہادی تھا۔ اصل مسئلہ وہی ہے جو عہد رسالت میں بلکہ خود عہد فاروقی کی ابتدا میں تھا اور یہ بات بڑے بڑے حنفی علماء کو بھی تسلیم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سیاسی اور تہدیدی تھا۔ انہوں نے عوام کو ڈرانے دھمکانے کے لیے بطور سزا یہ اقدام کیا تھا۔ اس سلسلہ میں حنفی اکابرین کی عبارات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ علامہ شیخی زادہ المعروف بداماد افندی حنفی المتوفی ۱۰۷۸ھ رقمطراز ہیں۔

"واعلم ان فی صدر الاول اذا ارسل الثلاث جملة لم یحکم الا بوقوع واحدة الی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه ثم حکم بوقوع الثلاث لکثرته بین الناس تهدیدًا" (مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابهر ۲/ ۶ مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت)"

۲۔ علامہ محمد بن علی المعروف بالعلاء الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ صاحب درمختار راقم ہیں:

"واعلم انه کان فی الصدر الاول اذا ارسل الثلاث جملة لم یحکم الا بوقوع واحدة الی زمن عمر رضی اللہ عنه ثم حکم بوقوع الثلاث سیاسة لکثرته من الناس کما فی القهستانی عن التمرشاشی (الدار المنتقی فی شرح الملتقی ۲/ ۶ مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت تحت مجمع الانهر)"

۳۔ علامہ شمس الدین محمد قہستانی المتوفی ۹۵۳ھ نے جامع الرموز شرح نقایہ ص ۳۲۱ میں اور

۴۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی المتوفی ۱۲۳۱ھ جو کہ مشہور حنفی فقیہ اور علامہ شامی کے استاذ ہیں نے طحطاوی حاشیہ درمختار ۲/ ۱۰۵ میں تقریباً یہی عبارت درج کی ہے۔

ان چاروں حنفی فقہاء کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ صدر اول سے لے کر عہد عمر رضی اللہ عنہ تک جب کوئی شخص اپنی اہلیہ کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا تو اس پر صرف ایک طلاق کا حکم لگایا جاتا تھا پھر جب لوگوں نے کثرت سے طلاق دینی شروع کر دی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے

لوگوں کو اس فعل حرام سے باز رکھنے کے لیے سیاسی اور تہدیدی طور پر تین کا نفاذ کیا اور یہ معاملہ حاکم وقت کا اجتہادی تھا اور اجتہاد بدلتا رہتا ہے۔ جیسے زمانے کے حالات و واقعات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے اسی طرح ائمہ دین کے اجتہادات میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ جس کی بے شمار امثلہ فقہاء کی کتب میں موجود ہیں۔ اس کے برعکس شرعی نصوص میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ لہٰذا صحیح اور نا قابل تاویل مسئلہ یہی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں مجلس واحد کی متعدد یکجائی طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں اور اس طلاق رجعی میں دوران عدت رجوع ہو سکتا ہے اور اگر عدت گزر جائے تو از سر نو نکاح کر کے خانہ آبادی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کو ان کے شوہر نے ایک طلاق دے دی۔ پھر عدت گزر جانے کے بعد ان دونوں کے درمیان رضامندی کا پروگرام ہونے لگا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ جو کہ اپنی ہمشیرہ کے ولی تھے نے نکاح میں رکاوٹ ڈال دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ واذا طلقتم النساء......الخ البقرہ ۲۳۲)

اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انہیں ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں"۔

(البقرة:۲:۲۳۲)

ملاحظہ ہو (جزء من حدیث ابی الطاہر محمد بن احمد الذہلی رقم (۶۵) صحیح البخاری (۵۱۳۱) المعجم الکبیر للطبرانی ۲۰/رقم (۴۶۷) بیہقی ۷/۱۳۸ العجاب فی بیان الأسباب لابن حجر عسقلانی ۱/۵۹۰-۵۹۲ ا الصحیح المسند من اسباب النزول للشیخ مقبل بن ہادی الوادعی ص ۲۶، تفسیر النسائی ۱/۲۵۸ رقم الحدیث (۶۱) جو لوگ اکٹھی تین طلاقوں کو نافذ کر کے حلالہ کا دروازہ دکھاتے ہیں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی شان یاد رکھنا چاہیے۔ **"لعن الله المحلل والمحلل له"** حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسند احمد ۷/۳۱۴ رقم (۴۲۸۳، ۴۲۸۴) نسائی (۳۴۱۶) ترمذی (۱۱۲۰) طبرانی کبیر (۹۸۷۸) بیہقی ۷/۲۰۸ ابن ابی شیبہ ۸/۴۸۸ المسند الجامع مع فتح المنان (۲۴۰۴) مسند ابی یعلی ۸/۴۶۸ (۵۰۵۴) شرح السنة (۲۲۹۳) میں اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسند احمد ۱۴/۴۲ (۸۲۸۷) مسند بزار کشف الاستار (۱۴۴۲) بیہقی ۷/۲۰۸......علی رضی اللہ عنہ سے مسند

احمد ۲/ ۶۷ (۶۳۵) مسند بزار (۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲) ابن ماجہ (۱۹۳۵) ابوداؤد (۲۰۷۶) ترمذی (۱۱۱۹) نسائی (۵۱۱۹) بیہقی ۷/ ۲۰۸ المسند الجامع ۱۳/ ۲۷۲ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ (۱۹۳۶) المستدرک ۲/ ۱۹۸۔ ۱۹۹ المسند الجامع ۱۳/ ۲۹..... عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ (۱۹۳۴) المسند الجامع ۹/ ۱۸۹..... جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی (۱۱۱۹) میں موجود ہے بلکہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حلالہ کرنے والے کو ادھار سانڈھ قرار دیا گیا ہے۔

پیر کرم شاہ بھیروی بریلوی نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن ۱/ ۱۵۹ میں طلاق کا مسئلہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ''اگر تیسری طلاق بھی اس نے دے دی تو اب جب تک وہ کسی دوسرے خاوند سے بالکل اسی طرح بسنے کی نیت سے نکاح نہ کرے جیسے اس نے پہلے خاوند کے ساتھ کیا تھا اور پھر وہ دوسرا خاوند ہم بستری کرنے کے بعد کچھ مدت گزرنے پر اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے دے اس وقت تک وہ پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں جاسکتی یہ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔'' آج کل اس کا حل حلالہ کی باعث صد نفرین صورت میں تلاش کرلیا گیا ہے اس کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم پیش نظر رہے ''**لعن اللہ المحلل و المحلل لہ**'' حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی پھٹکار اور جس (بے غیرت) کے لیے حلالہ کیا جارہا ہے اس پر بھی اللہ کی پھٹکار۔

عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ''اللہ کی قسم اگر میرے پاس حلالہ کرنے اور کروانے والے لائے گئے تو میں انہیں رجم کردوں گا۔

المصنف لعبدالرزاق کتاب النکاح باب التحلیل ۶/ ۲۱۱ (۱۰۸۱۹) بیہقی ۷/ ۲۰۸ سنن سعید بن منصور ۲/ ۴۹۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''ہم حلالہ کو دورِ نبوی میں زنا شمار کرتے تھے''۔ (المستدرک ۲/ ۲۱۷ بیہقی ۷/ ۲۰۸ التلخیص الحبیر ۳/ ۱۷۱ تحفۃ الاحوذی ۲/ ۱۷۵) بلکہ فرماتے تھے حلالہ کرنے والا مرد اور عورت اگر بیس سال بھی اکٹھے رہیں تو زانی ہوں گے۔ (المغنی لابن قدامہ ۱۰/ ۵۱ عبدالرزاق (۱۰۸۲۰) ۶/ ۲۱۱ طبع جدید) لہٰذا فعل حلالہ سے اجتناب کرتے ہوئے سائل اپنی مطلقہ سے عدت کے دوران رجوع کرسکتا ہے اور اگر عدت گزر جائے تو تجدید نکاح ہوسکتا ہے۔

پیر صاحب نے اپنے رسالہ ''دعوت فکر ونظر'' میں اس مسئلہ پر فریقین کے دلائل اوران

کا محاکمہ کیا ہے اور اس میں اپنی رائے علمائے مصر اور علماء جامع ازہر کے ساتھ ظاہر کی ہے۔ مصر میں 1929ء میں آن واحد کی تین طلاقوں کے اصول کو ختم کر کے یہ قانون بنایا گیا کہ اکٹھی متعدد طلاقیں صرف ایک طلاق شمار ہوگی اور وہ رجعی ہوگی۔ یہی قانون سوڈان نے 1935ء میں...... اردن نے 1951ء میں شام نے 1953ء میں...... مراکش نے 1958ء میں...... عراق نے 1959ء میں اور پاکستان نے 1961ء میں نافذ کیا ملاحظہ ہو Muslim Law Reform از طاہر محمود۔

طاہر محمود صاحب لکھتے ہیں 1929ء میں ایک دوسرا قانون نمبر 25 منظور ہوا جس میں طلاق کے احکام میں مناسب تبدیلیاں کی گئیں۔ جسے علماء مصر نے منظور کیا۔ شرعی عدالتوں میں اب اسی قانون کے مطابق عمل ہو رہا ہے اور جامعہ ازہر کے کلیۃ الشریعہ کے درجہ تخصص القضاء میں داخل نصاب ہے۔ اس قانون کی دفعہ نمبر۳ ہے "**الطلاق المقترن بعدد لفظاً واشارةً لايقع الا واحدة**" (**الدليل المرشد فی القوانين والاوامر للمحاكمه الشرعيه** ص ۳۸۳) انتہی

یعنی ایسی طلاق جو تعداد کے ساتھ لفظاً یا اشارۃً ملائی گئی ہو وہ صرف ایک واقع ہوتی ہے۔ کرم شاہ صاحب کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں "اس ناچیز کی ناقص رائے میں تو ان حالات میں علماء مصر اور علماء جامع ازہر کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا ارجح ہے۔"

کتاب وسنت کے مذکورہ بالا دلائل صحیحہ صریحہ اور حنفی جید علماء کی عبارات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مجلس واحد کی متعدد یکجائی طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں جس میں مرد دوران عدت رجوع کر سکتا ہے اور اگر عدت گزر جائے تو از سر نو نکاح کر کے دونوں اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں۔ حلالے جیسے لعنتی عمل سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس بات کی توفیق بخشے کہ وہ اپنے گھروں کو صحیح طور پر کتاب وسنت کے مطابق ڈھال لیں اور ہر طرح کے دنگا وفساد لڑائی جھگڑوں اور تنازعات واختلافات سے مکمل اجتناب کریں۔

مولانا کیلانی مرحوم نے اس مسئلہ میں شرح وبسط کے ساتھ تمام اعتراضات باردہ کا بڑے محققانہ اور منصفانہ انداز میں جائزہ لیا ہے۔ اور مسئلے کا صحیح حل پیش کر دیا ہے ان کا انداز تحریر انتہائی سادہ اور دلائل سے بھرپور ہوتا ہے اور مخالفین کا رد بھی اس انداز سے کرتے ہیں کہ عقل و

شعور رکھنے والے افراد داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان کے یہ مضامین جو ماہنامہ محدث و حرمین ''جہلم'' کی زینت بنے تھے ان کے لائق صد آفرین فرزندار جمند پروفیسر نجیب الرحمن کیلانی حفظہ اللہ کی محنت شاقہ سے اب کتابی صورت میں طبع کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے لیے اسے صدقہ جاریہ بنائے۔ ان کے لواحقین اور تمام قارئین کے لیے نجات کا وسیلہ و ذریعہ بنائے۔ (آمین)

ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفا اللہ عنہ
رئیس مرکز ام القریٰ۔ 266 جی بلاک سبزہ زار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

سہ ماہی مجلہ ''منہاج'' اشاعت اپریل ۱۹۸۷ء میں میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں میں نے پرویز صاحب اور جعفر شاہ صاحب پھلواری کے اس اعتراض کا جواب پیش کیا تھا کہ خلفائے راشدین بالعموم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بالخصوص اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق سنت رسول اللہ ﷺ میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں۔ پھر ان حضرات نے نتیجہ یہ پیش فرمایا تھا کہ:

''اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق پچیس تیس سنت ہائے رسول اللہ ﷺ میں تبدیلیاں کر سکتے ہیں تو آخر ہم اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق ایسی تبدیلیاں کیوں نہیں کر سکتے؟''

اس ضمن میں ایک مشہور مسئلہ ''تطلیق ثلاثہ'' بھی زیر بحث آیا، جسے میں نے اپنے مضمون کے آخر میں درج کیا تھا' اور بتایا تھا کہ لے دے کے یہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ کتاب وسنت کی منشا کے خلاف تھا۔ اب ادارہ ''منہاج'' نے غالباً مسلکاً حنفی ہونے کی وجہ سے میرے مضمون کو جوں کا توں شائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور قاری عبدالحفیظ صاحب ریسرچ اسسٹنٹ نے میرے دو صفحات کے اس آرٹیکل پر چودہ صفحات کے حواشی چڑھا کر اپنی طرف سے اسے بھرپور تردید کے ساتھ شائع فرما دیا۔ حالانکہ اگر ادارہ مذکور وسعت نظر سے کام لیتے ہوئے ان حواشی کے بغیر بھی اسے چھاپ دیتا تو بھی اس پر کچھ الزام نہ آ سکتا تھا' کیونکہ کوئی بھی ادارہ یہ الفاظ لکھنے کے بعد کہ ''ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں'' جواب دہی کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ اور

اگر جواب دینا ہی ضروری تھا، تو یہ جواب الگ سے شائع کر دیتا۔ بہر حال اب میرا یہ حق بنتا ہے کہ میں جواب الجواب لکھوں۔ اور اس لحاظ سے میں قاری صاحب کا ممنون بھی ہوں کہ ان کے ان حواشی کی وجہ سے مجھے دوبارہ اس مسئلہ کے مطالعہ کا موقع فراہم ہو گیا۔

قاری صاحب موصوف کے حواشی کا ماحصل میرے خیال میں مندرجہ ذیل چار باتوں پر مشتمل ہے:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مجلس کی تین طلاقوں کا بطور تین ہی نافذ کر دینے کا فیصلہ سیاسی نہیں، بلکہ شرعی بنیادوں پر تھا۔

(۲) یہ مسئلہ ایک آیت اور دو احادیث سے ثابت ہے۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے بعد امت کا اس پر اجماع ہو گیا تھا۔

(۴) اس فیصلہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ندامت والا قصہ بھی من گھڑت ہے۔

اعتذار:

ان باتوں کا جواب دینے سے پیشتر میں اپنی ایک غلطی (مسامحت) کا اعتراف ضروری سمجھتا ہوں، جس کی بنا پر میری عبارت میں سے صرف دو الفاظ کے چھوٹ جانے سے مفہوم میں نمایاں فرق پڑ گیا۔ شائع شدہ عبارت یوں ہے ''تاہم ہمیں یہ تسلیم کر لینے میں کچھ باک نہیں ہے کہ آپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کا یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھا۔'' جب کہ میرے رف مسودہ میں اس فقرہ کے آخری الفاظ یوں تھے ''کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے خلاف تھا'' جب دوسری بار مسودہ صاف کر کے لکھا تو ''کی منشا'' کے الفاظ درج ہونے سے رہ گئے، جس سے مطلب کچھ کا کچھ بن گیا۔ شائع شدہ فقرہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نعوذ باللہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی فیصلہ فرما سکتے تھے۔ جب کہ ''کی منشا'' کے الفاظ شامل کرنے کے بعد یہ مفہوم بنتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ اجتہادی تھا، جس میں غلطی کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

یہ تو خیر جو ہوا سو ہوا، لیکن قاری صاحب موصوف نے اس ''مخالفت'' کی نسبت حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کی بجائے براہ راست حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات کی طرف کر کے مجھے آڑے ہاتھوں لیا کہ ''وہ (کیلانی صاحب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر برس پڑے اور بیک جنبش قلم انہیں مخالف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرار دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا''۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون'' اللہ تعالیٰ ہم سب کی بھول چوک' لغزشوں اور غلطیوں کو معاف فرمائے۔آمین!

عبدالرحمٰن کیلانی

ooo

تطلیق ثلاثہ

قاری عبدالحفیظ صاحب ریسرچ اسسٹنٹ ادارہ ''منہاج'' کے تعاقب کے جواب میں

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سیاسی تھا یا شرعی؟

اس ضمن میں قاری صاحب موصوف نے جناب مولانا ابراہیم صاحب میر رحمۃ اللہ علیہ سیالکوٹی کا ایک اقتباس درج فرمایا ہے' جس میں مولانا ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیک مجلس تین طلاق کو تین طلاق کے وقوع کے طور پر نافذ کرنے کا فیصلہ سیاسی نوعیت کا نہیں' بلکہ شرعی بنیادوں پر تھا۔ اتمام حجت کے طور پر قاری صاحب موصوف نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ مولانا ابراہیم صاحب موصوف غیر مقلد ہیں۔

اس اقتباس کے جواب میں اگر ہم کسی حنفی مقلد عالم کا ایسا ہی اقتباس پیش کردیں' جس میں یہ وضاحت موجود ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ شرعی نہیں بلکہ سیاسی اور تعزیری قسم کا تھا تو بات ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ اس ضمن میں پیر کرم شاہ صاحب ازہری (جو مسلکاً بریلوی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اسلامی نظریاتی کونسل کے علاوہ رویت ہلال کمیٹی کے بھی رکن ہیں۔ مزید برآں ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کے مدیر بھی ہیں) کا اقتباس ذیل پیش خدمت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر پیر کرم شاہ صاحب کا تبصرہ:

آپ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

''لیکن ایک خلجان ابھی تک موجود ہے' جس کا ازالہ از حد اہم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب طلاق ثلاث ایک طلاق شمار کی جاتی تھی تو الناطق بالصدق والصواب' الفارق بین الحق والباطل' حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے برعکس حکم کیوں دیا؟ تو اس

کے متعلق گزارش یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ لوگ طلاق ثلاث کی حرمت کو جانتے ہوئے اب اس کے عادی ہوتے چلے جا رہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ کی سیاست حکیمانہ نے ان کو اس امر حرام سے باز رکھنے کے لیے بطور سزا حرمت کا حکم صادر فرمایا۔ اور خلیفہ وقت کو اجازت ہے کہ جس وقت وہ یہ دیکھے کہ لوگ اللہ کی دی ہوئی سہولتوں اور رخصتوں کی قدر نہیں کر رہے اور ان سے استفادہ کرنے سے رک گئے ہیں' تو بطور تعزیر انہیں ان رخصتوں اور سہولتوں سے محروم کر دے تاکہ وہ اس سے باز آ جائیں...... حضرت امیر المومنین نے یہ حکم نافذ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"فَلَوْ اَنَّا اَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ" کاش! ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں۔

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آپؓ کی رائے تھی اور امت کو فعل حرام سے باز رکھنے کے لیے یہ تعزیری قدم اٹھایا گیا تھا۔ اس تعزیری حکم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پسند فرمایا اور اس کے مطابق فتوے دیئے" (مقالات علمیہ ص ۲۴۱' ۲۴۲)

جناب پیر کرم شاہ صاحب ازہری کے اقتباس سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) دور فاروقی سے پہلے دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دور صدیقی میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا تھا وہ دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیقی کے تعامل کے برعکس تھا۔

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ آپ رضی اللہ عنہ کی سیاستِ حکیمانہ کا نتیجہ تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ بطور سزا صادر فرمایا تھا۔

(۴) اس کے بعد ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ایسے تعزیری فتوے دینا شروع کر دیئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو سیاسی قرار دینے والے دیگر حضرات:

مناسب معلوم ہوتا ہے' یہاں ہم جناب ازہری صاحب کے علاوہ بھی چند بزرگان دین کی تحریریں اس سلسلہ میں نقل کر دیں، جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔

(۱) ہمارے خیال میں سب سے پہلے بزرگ تو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق ہیں' جنہوں نے یہ حکم نافذ کرتے وقت یہ واضح فرما دیا تھا کہ یہ ان کا اپنا حکم ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کرتے وقت ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا حدیث ہے۔ نہ ہی کسی قرآنی آیت سے آپ رضی اللہ عنہ نے استدلال فرمایا' جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمینوں کو قومی تحویل میں لیتے وقت استدلال فرمایا تھا۔ اب بتائیے کہ ہم اسے آپ رضی اللہ عنہ کا سیاسی اور تعزیری حکم نہ سمجھیں تو کیا سمجھیں؟

آپ رضی اللہ عنہ کی اپنی شہادت کے بعد کسی دوسرے کی ضرورت تو نہیں رہ جاتی تاہم چند نام اور بھی پیش خدمت ہیں۔

(۲) مشہور حنفی امام طحاوی رحمہ اللہ اپنی تصنیف حاشیہ در مختار ج ۲ ص ۱۰۵ پر لکھتے ہیں:

"وانه كان في الصدر الاول اذا ارسل ثلاثة جملة لم يحكم الا بوقوع واحدة الى زمن عمر ثم حكم بوقوع الثلاثة سياستاً لكثرته بين الناس" (بحوالہ مقالات علمیہ ص ۲۳۲)

"پہلے زمانہ میں تا خلافت عمر رضی اللہ عنہ جب کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی قرار دی جاتی' پھر جب لوگ بکثرت ایسا کرنے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ نے سیاستاً تین طلاقوں کے تین ہی واقع ہونے کا حکم نافذ کر دیا۔"

(۳) اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تو آپ رضی اللہ عنہ کے اس حکم کو دُرّہ فاروقی سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ "اعلام الموقعین" میں فرماتے ہیں:

"جب لوگوں نے بے خوف ہو کر بکثرت اسے (یعنی ایک مجلس میں تین طلاق دینا) شروع کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بحیثیت قانون یہ حکم فرمایا کہ میں آئندہ تین طلاقوں کو تین ہی شمار کروں گا یہ صرف اس لیے تھا کہ لوگ ایک ساتھ تین طلاق دینے سے باز آ جائیں۔ ورنہ پھر تین سال تک یہ حکم شرعی کیوں جاری نہ کیا؟ پس یہ حکم شرعی نہیں' بلکہ قانونی حیثیت رکھتا ہے کہ لوگ ڈر جائیں...... یہ فتویٰ گویا ایک درہ فاروقی تھا جو ایسے لوگوں کو سزا کے لیے تھا نہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی شرعی حکم کو بدل دیا۔ نعوذ باللہ من ذلك" (اعلام الموقعین اردو ص ۳۴۴)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس اقتباس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم شرعی نہیں' بلکہ تعزیری تھا۔ اگر یہ حکم شرعی ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ کو اسے ابتدائے خلافت سے جاری فرمانا چاہیے تھا۔

(۲) آپ رضی اللہ عنہ نے کسی شرعی حکم کو بدلا نہیں' بلکہ یہ حکم ایسے خطا کار لوگوں کے لیے نافذ کیا جو بیک وقت تین طلاقیں دیتے تھے۔ رجوع کے سلسلہ میں شریعت نے جو رعایت دے رکھی تھی وہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے سلب کر لی۔ گویا یہ قانون وقتی تھا جو سزا کے طور پر نافذ کیا گیا تھا۔

اس کے بعد موجودہ دور کے چند ''بزرگان دین'' کے تبصرے اور تحریریں بھی ملاحظہ فرما لیجئے:

(۳) سب سے پہلے تو جناب پیر کرم شاہ صاحب ازہری مدیر ماہنامہ ''ضیائے حرم'' رکن اسلامی نظریاتی کونسل اور رکن رویت ہلال کمیٹی کا نام ہی پیش کرنا مناسب ہے، جن کا اقتباس اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ اس میں آپ نے برملا اعتراف کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ سیاسی نوعیت کا تھا اور سزا کے طور پر تھا۔

(۴) مولانا عبدالحلیم صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ جامعہ حنفیہ قاسمیہ لاہور اور صدر علمائے احناف پاکستان فرماتے ہیں۔

''حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیاستاً ایک مجلس کی تین طلاق کو تین تسلیم کر لیا تھا۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کی سیاست تھی' جس میں تبدیلی کا امکان ہے۔ چنانچہ اکثر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس معاملہ میں آپ رضی اللہ عنہ سے اختلاف فرمایا ہے جو کتب احادیث میں مع دلائل موجود ہے'' (ایک مجلس کی تین طلاق علمائے احناف کی نظر میں' ص ۱۵)

(۵) نومبر ۱۹۷۲ء میں احمد آباد (گجرات، کاٹھیاواڑ) میں تطلیق ثلاثہ کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد کیا گیا، جس میں جناب مولانا شمس پیرزادہ امیر جماعت اسلامی نے ایک مقالہ پڑھا۔ اس مقالہ کے بعض مقامات کا جناب عامر عثمانی صاحب، مدیر ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند نے تعاقب کیا۔ ان کا درج ذیل سوال و جواب ملاحظہ ہو:

عامر صاحب فرماتے ہیں کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاکم وقت تھے نہ کہ قاضی۔ نیز یہ کہ ان کا

فیصلہ کسی عدالت میں بطور نظیر بھی پیش نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ عدالت میں عدالتی نظائر کام آتے ہیں حکام کے انتظامی یا سیاسی یا اصلاحی اقدامات کام نہیں آتے۔"

اس کے جواب میں جناب مولانا شمس پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں:

"سوال یہ ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فیصلہ کی حیثیت عدالتی نہیں، بلکہ سیاسی اقدام کی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یکجائی تین طلاقوں کو نافذ کرنے کی جو علماء یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اس کا نفاذ محض تعزیراً کیا گیا تھا' ان کی یہ توجیہ کیوں غلط قرار دی جائے؟ مزید یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ عدالتی نہ ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتوے' کہ ان کی حیثیت بھی عدالتی فیصلوں کی نہیں' حجت کس طرح بن سکتے ہیں؟" (مقالات علمیہ ص ۲۱۶)

دیکھا آپ نے عامر عثمانی صاحب بھی جو متعصب حنفی ہیں اور شمس پیرزادہ صاحب بھی دونوں آپ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو "شرعی" کے بجائے "سیاسی اور تعزیری یا انتظامی اور اصلاحی" قرار دے رہے ہیں۔

(۶) اسی سیمینار کے ایک اور مقالہ نگار جناب حفیظ الرحمٰن صاحب قاسمی فاضل دیوبند فرماتے ہیں:

"اگر تین طلاق سے مراد "انت طلق ثلاثا" ہے تو آخر دور نبوت اور دور صدیقی کے تعامل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کس مصلحت سے بدلا؟ وہ کوئی شارع اور قانون ساز تو تھے نہیں، پھر قانون سازی بھی ایسے مسئلے میں کہ جس میں دور رسالت اور دور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعامل موجود ہو۔ جب مسلم شریف کی روایت ابوالصہباء کے متعلق ہم کچھ عرض کرتے ہیں تو فوراً وہی اعتراض ہم سے کیا جاتا ہے..... اب آپ ہمیں واضح طور سے دوٹوک انداز میں یہ بتائیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے دور رسالت اور دور صدیقی کے تعامل کا بدلنا اس روایت سے بالکل واضح ہے آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ (مقالات علمیہ ص ۲۰۱)

فیصلہ کی شرعی حیثیت کی تعیین میں اختلافات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو مشروع قرار دینے والے بالعموم وہی حضرات ہیں جو

کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی قرار دیتے ہیں اور اس حد تک تو یہ سب حضرات متفق ہیں مگر اس فیصلہ کی شرعی حیثیت کی تعیین میں پھر بہت سے اختلافات رونما ہوئے، مثلاً

(۱) کچھ حضرات تو تطلیق ثلاثہ اور ان کے وقوع کو ایسے ہی سنت اور جائز سمجھتے ہیں جیسے کہ متفرق طور پر طلاق دینے کو، جیسا کہ خود قاری عبدالحفیظ صاحب نے رسالہ ''منہاج'' مذکور کے ص ۳۰۴ پر تحریر فرمایا ہے۔

اس توجیہ پر درج ذیل اعتراض وارد ہوتے ہیں:

(ا) اگر بیک وقت تین طلاق دینا بھی سنت اور جائز ہے، تو علمائے احناف اور اسی طرح دوسرے تمام فقہاء اسے بدعی طلاق کیوں قرار دیتے ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک چیز بیک وقت سنت بھی ہو اور بدعت بھی؟

(ب) بیک وقت تین طلاق دینے والے کو تمام علماء وفقہاء گناہ کبیرہ کا مرتکب سمجھتے ہیں۔ تب سوال یہ ہے کہ کسی سنت کے عامل یا کم از کم جائز کام کرنے والے کو گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے؟

(ج) اگر ایک مجلس کی تین طلاق بھی سنت اور جائز ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کیا چیز نافذ فرمائی تھی۔ جو چیز پہلے ہی موجود اور نافذ ہو اسے نافذ فرمانے کا مطلب؟

(۲) دوسرا فریق اس مسئلہ کو سنت تو نہیں، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درست اجتہاد تسلیم کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ آیت ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ'' کا ظاہری مفہوم اگرچہ وقفوں سے طلاق دینا ہی ہے تاہم یکبارگی تین طلاق دینے اور ان کے واقع ہونے کی بھی گنجائش موجود ہے۔ اس فریق کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر امت کا اجماع ہو گیا تھا، لہٰذا اب مزید اجتہاد واختلاف کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

یہی وہ امور ہیں جن کا ہم آگے چل کر نہایت تفصیل سے جائزہ پیش کر رہے ہیں کہ ان حضرات کا یہ نظریہ اور یہ دعویٰ کہاں تک درست ہے؟

(۳) تیسرا گروہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو سیاسی، تعزیری اور وقتی سمجھتا ہے جسے آج کی

زبان میں آرڈیننس کہتے ہیں یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حالات کے تقاضا کے تحت ایک سر اٹھانے والی برائی کی روک تھام کیلئے ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سہولت کو بطور تعزیر چھین لیا تھا اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس سلسلہ میں آپ رضی اللہ عنہ سے تعاون کے طور پر آپ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو قبول کر لیا۔ جیسا کہ ابن رشد قرطبی اپنی کتاب "بدایۃ المجتهد" میں رقم طراز ہیں:

"وكان الجمهور غلبوا حكم التغليظ في الطلاق سدا للذريعة ولكن تبطل ذلك الرخصة الشريعة والرفق المقصود في قوله تعالىٰ: لعل الله يحدث بعد ذلك امرا." (بدایۃ المجتہد ج ۲، ص ۶۶، مطبوعہ مصر، بحوالہ مقالات ص ۱۹۸)

یعنی جمہور نے سد ذریعہ کے طور پر تین طلاق کو مغلظ مان لیا ہے۔ حالانکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت و شفقت اور رخصت ختم ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول "لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا" میں ہے۔

اس طبقہ کے کچھ وسیع النظر علماء اپنے سابقہ موقف میں زمانہ کے تقاضوں کے تحت لچک پیدا کرنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(۴) چوتھا گروہ وہ ہے جو آپ رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد کو (اگر یہ اجتہاد تھا تو) درست نہیں سمجھتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نص کی موجودگی میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے جب صحیح روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ دور نبوی، صدیقی اور فاروقی کے ابتدائی دو تین سالوں تک کا تعامل امت یہی رہا کہ تین طلاق کو تین نہیں بلکہ ایک ہی شمار کیا جاتا تھا' تو پھر کسی آیت یا روایت سے بیک مجلس کی تین طلاق کے تین ہی واقع ہونے کے معنی نکالنا درست نہیں۔

اس گروہ میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو تطلیق ثلاثہ میں تین کے وقوع کے قائل نہیں۔ یہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو اجتہادی غلطی قرار دینے کے بجائے یہ کہنا بہتر سمجھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ سیاسی اور تعزیری تھا۔ یہ گروہ دور فاروقی سے لے کر آج تک بلا انقطاع

زمانہ موجود چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ موجودہ دور کے ایک نامور مؤلف محمد حسین ہیکل نے اپنی تالیف ''الفاروق عمر رضی اللہ عنہ'' میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کے نص میں اجتہاد کیا تھا' جس کی آج ہم مخالفت کرتے ہیں۔ کیونکہ نص قرآنی کا مقصود یہ ہے کہ طلاق بالفعل ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ دینے پر واقع ہو اور شوہر کے لیے دو دفعہ رجوع کا موقع باقی رہے' کیونکہ اس کے اثرات زندگی پر گہرے مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تین طلاقیں ہیں' تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق ایک فعل ہے' جسے واقع ہونا ہے۔ نہ کہ قول' جسے زبان سے ادا کرنا ہے۔'' (مقالات ص ۶۵)

(۵) اور پانچواں گروہ وہ ہے جو تطلیق ثلاثہ کے قائلین اور مخالفین دونوں کو درست قرار دیتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں' جیسا کہ مصر کی مطبوعہ کتاب ''**کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة**'' کے مصنف عبدالرحمن الجزیری رقم طراز ہیں کہ:

ترجمہ: لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پر (یعنی تطلیق ثلاثہ کے وقوع پر) اجماع ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ بہت سے مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بلاشبہ مجتہدین میں سے تھے جن پر دین کے معاملہ میں پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے' لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان کی رائے کے معاملہ میں تقلید کرنا واجب نہیں ہے' اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ بھی مجتہد ہی تھے۔ رہا اکثریت کا آپ رضی اللہ عنہ سے اتفاق کرنا تو اس سے آپ رضی اللہ عنہ کی تقلید لازم نہیں آتی۔ ممکن ہے آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تعزیر کی غرض سے اسے نافذ کیا ہو جبکہ لوگ خلاف سنت طریقہ پر طلاق دے رہے تھے۔ کیونکہ سنت یہی ہے کہ مختلف اوقات میں طلاق دی جائے۔ اور جو شخص سنت کے خلاف کرتا ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ زجر کا معاملہ کیا جائے۔ مختصر یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں بلفظ واحد ایک واقع ہوتی ہے' انہیں ان کا تین کہنا معقولیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ عہد رسالت' دور صدیقی اور فاروقی کے ابتدائی دو برسوں تک ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اجتہاد کیا' اس کی دوسروں نے مخالفت

کی۔ لہٰذا مخالفت کرنے والوں کی تقلید بھی اسی طرح درست ہے، جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فروعی اعمال میں کرید کر یقینی صورت معلوم کرنے کا ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے کیونکہ ایسا کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔''

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۲۴۳۔۲۴۴ بحوالہ مقالات ص ۶۶)

❁❁❁

قرآنی آیت سے قاری عبدالحفیظ کا استدلال

''فائے تعقیب'' اور ''ثم'' کی بحث:

قاری صاحب موصوف فرماتے ہیں:

''جمہور اپنے اس دعویٰ میں (یعنی ایک مجلس کی تین طلاق کے وقوع میں) قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

''فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ...... اس سے متصل پہلی آیت سے اللہ تعالیٰ نے دو طلاقوں کا ذکر کیا ہے ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ'' اس کے فوراً بعد ''فَاِنْ طَلَّقَهَا'' والی آیت ہے۔ یعنی طلاقیں تو دو ہی ہیں، کن اگر کسی شخص نے دو طلاقیں دینے کے فوراً بعد نادانی کی بنا پر تیسری طلاق بھی دے دی تو پھر اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی، جب تک کہ یہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حرف فا کو استعمال کیا ہے جو کہ تعقیب مع الوصل کے لیے آتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو طلاقیں دینے کے فوراً بعد اسی مجلس میں تیسری بھی دے دی تو تیسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور اب اس کے لیے بیوی حلال نہیں۔ یہاں پر اگر حرف ''ثم'' ہوتا، جو مہلت اور تراخی کے لیے آتا ہے پھر معنی یہ بنتے کہ ایک طہر میں ایک طلاق، دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق۔ اس صورت میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی واقع ہوتیں مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔'' (منہاج مذکور ص ۳۰۲)

مندرجہ بالا اقتباس میں قاری صاحب موصوف کی دلیل کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ حرف "فاء" "تعقیب مع الوصل" کیلئے ہی آتا ہے۔ درج ذیل آیات پر غور فرما کر بتائیے کہ یہاں "فاء" کا حرف "تعقیب مع الوصل" کیلئے ہی استعمال ہوا ہے؟

(۱) "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ . الاٰية"

(آل عمران:۳۱)

(۲) "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ. فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا" (الم نشرح:۴،۵)

(۳) "فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ"

(البقرہ:۸۹)

قاری صاحب کے بیان میں حقیقت صرف اتنی ہے کہ حرف "فاء" کے چھ مختلف استعمالات میں سے ایک استعمال بطور "تعقیب مع الوصل" بھی ہے اور وہ چھ استعمال یہ ہیں:

(۱) ترتیب (۲) تعقیب مع الوصل (۳) سبب (۴) شرط (۵) رابطہ (۶) زائدہ۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں حرف "فاء" تعقیب مع الوصل کے طور پر ہی استعمال ہوا ہے یا کسی اور غرض کے لیے؟ اس مقصد کے لیے ہم اس سے پہلی آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں، جس کی طرف قاری صاحب نے بھی توجہ دلائی ہے اور وہ آیت یوں ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ	طلاق دو بار ہے۔ پھر یا تو ان کو شائستہ طور پر اپنے نکاح میں رکھا جائے یا بھلائی کے ساتھ رخصت کر دیا جائے......
فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ . الاٰية (البقرہ:۲۲۹،۲۳۰)	پھر اگر خاوند (بیوی کو) تیسری بار طلاق دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہو گی۔

اس وضاحت کے بعد خلع کے احکام ذکر ہوئے ہیں۔

اب دیکھئے آیت مذکورہ میں "فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ" کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ تین تو درکنار، دو طلاقیں بھی بیک وقت دینا اس آیت کے مفہوم کے صریح خلاف ہے "فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ" کا تعلق پہلی طلاق کے بعد بھی ہے اور دوسری کے بعد بھی۔ اندریں صورت جو تیسری طلاق کے وقت لفظ "فاء" استعمال ہوا ہے وہ تعقیب مع الوصل کے لیے کیونکر ہوسکتا ہے؟ بالخصوص اس صورت میں کہ درمیان میں خلع کے احکام بھی بیان کیے جا رہے ہیں؟ لہٰذا ہمارے خیال میں اگر "فاء" کو "تعقیب مع الوصل" کے لیے قرار دینا ہی ہے تو کیوں نہ "فَاِمْسَاکٌ" کی "فاء" کو ایسا قرار دیا جائے جو "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" کے ساتھ ہی واقع ہے۔ اتنی دور جا کر "فَاِنْ طَلَّقَهَا" کی "فاء" کو "تعقیب مع الوصل" قرار دینے کی کوئی تک نظر نہیں آتی۔

قاری صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ "اگر "فاء" کی بجائے "ثم" کا لفظ آتا تو پھر یہ معنی بنتے کہ ایک طہر میں ایک طلاق، دوسرے میں دوسری اور تیسرے میں تیسری طلاق۔ اس صورت میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی واقع ہوتیں۔ مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔" (منہاج ص ۳۰۳)

گویا قاری صاحب موصوف کے نزدیک قرآن کی آیت کے مطابق طلاق دینے کی یہ شکل بالکل درست ہے کہ یک لخت تین طلاقیں دے کر انہیں تین ہی شمار کر لیا جائے۔ کیونکہ حرف "فاء" کا یہی تقاضا ہے، اور یہ جو طلاق دینے کا شرعی طریقہ مشہور ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے، دوسرے میں دوسری، تیسرے میں تیسری۔ تو طلاق کی یہ شکل قرآن کی آیت کی رو سے درست نہیں۔ کیونکہ ایسی صورت تو "ثم" کے لفظ کا تقاضا تھا جو یہاں استعمال نہیں ہوا۔ اب ہم یہ بتائیں گے کہ قاری صاحب اپنی بات کی پچ میں آ کر اپنے ہی مسلک کے خلاف کیا کچھ باتیں فرما گئے ہیں؟ اس کیلئے ہمیں طلاق کی مختلف شکلوں پر نگاہ ڈالنا ہوگی۔

طلاق کی مختلف شکلیں اور ان کے احکام:

طلاق کی مختلف صورتوں کی وضاحت کے لیے چونکہ عدت کا تعین ضروری ہے لہٰذا پہلے

عدت کے مسائل واحکام کی وضاحت کی جاتی ہے۔اور وہ درج ذیل ہیں:

عدت کے مسائل واحکام:

(۱) بیوہ غیر حاملہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔(البقرہ:۲۳۴)

(۲) بیوہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔سبیعہ اسلمیہ کے ہاں خاوند کی وفات کے تقریباً ایک ماہ بعد (مختلف روایات میں یہ مدت ۲۰ دن سے ۴۰ دن تک ہے) بچہ پیدا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اگلے نکاح کی اجازت دے دی۔

(بخاری' کتاب الطلاق)

(۳) غیر مدخولہ عورت خواہ وہ بیوہ ہو یا مطلقہ' اس کی کوئی عدت نہیں۔(الاحزاب:۴۹)[1]

(۴) بے حیض عورت، خواہ ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو یا بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے آنا بند ہو چکا ہو' کی عدت تین ماہ قمری ہے۔(الطلاق:۴)

(۵) مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ (ایضاً)

(۶) حیض والی غیر حاملہ کی عدت تین قروء ہے۔(البقرہ:۲۲۸) قرء بمعنی حیض بھی اور طہر بھی۔

احناف اس سے تین حیض مراد لیتے ہیں۔جب کہ شوافع اور مالکیہ تین طہر مراد لیتے ہیں۔اس فرق کو درج ذیل مثال سے سمجھیے کہ:

طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ عورت جب حیض سے فارغ ہو تو اسے طہر کے شروع میں ہی بغیر مقاربت کیے طلاق دی جائے اور پوری مدت گزر جانے دی جائے' عدت کے بعد عورت بائن ہو جائے گی۔اب فرض کیجئے کہ ایک عورت ہندہ نامی کو ہر قمری مہینہ کی ابتدائی تین دن ماہواری آتی ہے' اس کے خاوند نے اسے حیض سے فراغت کے بعد ۴ محرم کو طلاق دے دی۔تو احناف کے نزدیک اس کی عدت تین حیض یعنی ۳ ربیع الآخر کی شام جب وہ حیض سے فارغ ہو جائے گی تو اس کی عدت ختم ہوگی۔جب کہ شوافع اور مالکیہ کے

---

(۱) ''اس عورت کا اگر مہر مقرر ہوا ہو تو نصف مہر خاوند کو ادا کرنا ہوگا۔اور اگر حق مہر مقرر نہ ہوا ہو تو حسب استطاعت کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہئے'' (۲/۲۳۶،۲۳۷)

نزدیک تیسرا حیض شروع ہونے تک اس کے تین طہر پورے ہو چکے ہوں گے۔ یعنی یکم ربیع الآخر کی صبح حیض شروع ہونے پر اس کی عدت ختم ہو گی۔

عدت کا مقصد:

عدت کا ٹھیک ٹھیک شمار کرنے پر قرآن کریم نے خاصا زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ الآية. (الطلاق:۱)

اے نبی ﷺ! مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے لیے طلاق دو اور اس عدت کی مدت کو گنتے رہو۔

عدت کا شمار اس لیے اہم ہے کہ اس دوران عورت سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اسے واضح الفاظ میں منگنی کا پیغام بھی نہیں دیا جا سکتا۔

کوئی عورت عدت کے اندر نکاح کرے تو وہ نکاح باطل ہوگا:

عدت کا مقصد تحفظ نسب اور میراث کے تنازعات کو ختم کرنا ہے۔ عدت کے اندر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں؟ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ جس عورت کو صحبت سے پہلے ہی طلاق ہو جائے اس کی کچھ عدت نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں نہ نسب کے اختلاف کا کوئی امکان ہے نہ وراثت کے تنازعہ کا۔

خاوند کا حق رجوع:

عدت کا عرصہ عورت کو اپنے خاوند کے ہاں گزارنے کا حکم ہے۔ کیونکہ اس دوران وہ خاوند کی زوجیت میں ہوتی ہے۔ عدت کے دوران خاوند کسی وقت بھی رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس رجوع میں وہ اپنی عورت کی مرضی کا پابند نہیں ہے۔ نکاح کے وقت عورت کی رضامندی ضروری ہے، مگر رجوع کے لیے عورت کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَالَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ؛ الاٰية۔ (الاحزاب:۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو، تو ان عورتوں پر تمہارے لیے کچھ عدت نہیں، جسے تم پوری کراؤ۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ عورتوں کا عدت گزارنا دراصل مردوں کے حقوق کی نگہداشت کے لیے ہوتا ہے تا کہ

(۱) اگر وہ چاہیں تو عدت کے دوران کسی وقت بھی رجوع کر سکیں۔

(۲) ان کے نسب میں کسی قسم کے اشتباہ کی گنجائش نہ رہے۔

(۳) وراثت کے مسائل میں الجھاؤ پیدا نہ ہو۔

لہٰذا عدت کے دوران مطلقہ عورت کا سکنیٰ اور نفقہ طلاق دہندہ پر اور وفات کی صورت میں مرد کے لواحقین پر لازم قرار دیا گیا۔

طلاق کی شرائط:

اس سلسلہ میں بخاری کی درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انه طلق امراته وهي حائض، على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مره فليراجعها ثم يمسكها حتى تطهر ثم تحيض ثم تطهر له ان شاء امسک بعد وان شاء طلق قبل ان يمس فتلك العدة التي امر الله ان تطلق لها النساء. (بخاری، کتاب الطلاق)

'عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی بیوی (آمنہ بنت غفار) کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عبداللہ کو حکم دو کہ رجوع کر لے اور حیض سے پاک ہونے تک اپنے پاس رہنے دے۔ پھر اس کو حیض آنے دے، پھر جب حیض سے پاک ہو تو اب چاہے تو اپنے پاس رکھے اور چاہے تو صحبت سے پہلے

اسے طلاق دے دے۔ اور یہی مطلب
ہے اللہ کے اس قول کا کہ عورتوں کو ان کی
عدت کے لیے طلاق دو۔

اس حدیث سے درج ذیل باتوں کا پتہ چلتا ہے:

(۱) حیض کی حالت میں طلاق دینے پر آپ ﷺ نے رجوع کا حکم فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا خلاف سنت اور حرام ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ حیض کی حالت میں طلاق دینا خلاف سنت اور حرام ہے' تاہم طلاق واقع ہو جاتی ہے' ورنہ رجوع کے حکم کا کچھ مطلب نہیں نکلتا![۱]

(۲) طلاق طہر کی حالت میں دینی چاہیے[۲] جس میں صحبت نہ کی گئی ہو[۳] اور بہتر یہی ہے کہ طہر کے ابتدا ہی میں طلاق دی جائے۔

(۳) آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو طلاق کا جو طریقہ بتایا' وہ یہی ہے کہ صرف ایک طلاق ہی دے کر عدت گزرنے دی جائے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "طَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" کا یہی مطلب ہے۔

اب فرض کیجیے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ یکم محرم سے تین محرم تک حائضہ رہتی تھیں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دو محرم کو طلاق دے دی۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہلیہ کو اپنے پاس روک رکھیں اور رجوع کریں۔ یہ رجوع ۴ محرم سے آخر محرم تک والے طہر میں ہی ممکن تھا۔ اور رجوع کی وجہ سے اس طہر میں طلاق نہیں دی جا

---

(۱) "اسی طرح فقہاء یہ قیاس فرماتے ہیں کہ اگرچہ بیک مجلس تین طلاق دینی خلاف سنت اور حرام ہے، تاہم تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ قیاس کی حد تک تو ان کی بات درست معلوم ہوتی ہے، مگر اس نص کی موجودگی میں دور نبوی اور صدیقی اور فاروقی کے ابتدائی دو تین سالوں تک ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھی، اس قیاس کی چنداں وقعت باقی نہیں رہتی۔

(۲) "غیر مدخولہ عورت کو طہر اور حیض دونوں حالتوں میں طلاق دی جا سکتی ہے"

(۳) "بے حیض عورت کو مباشرت کے بعد بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح حاملہ عورت کو بھی مباشرت کے بعد طلاق دی جا سکتی ہے، کیونکہ ان تینوں صورتوں میں عدت کا کوئی مقصد مجروح یا مشکوک نہیں ہوتا"

سکتی تھی۔اب دوسری طلاق کا موقعہ ۴ صفر کو حیض کے بعد اور مقاربت سے پہلے ہی ممکن تھا۔ ۴ صفر کو دی ہوئی رجعی طلاق کی عدت تین قروء گزرنے کے بعد ہی ایک طلاق بائن ہو جاتی ہے۔طلاق کا مسنون طریقہ یہی ہے اور اس طریقے کے دو فائدے ہیں۔

پہلا یہ کہ عدت کے آخری وقت تک رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔اور دوسرے یہ کہ اگر بعد میں بھی فریقین رضامند ہوں تو تجدید نکاح کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

احناف کے ہاں طلاق کی اقسام:

احناف کے ہاں طلاق کی تین اقسام ہیں:

(۱) احسن (۲) حسن (۳) بدعی (ہدایہ اولین' کتاب الطلاق' باب طلاق السنہ)

(۱) احسن:

احسن یہ صورت ہے جسے ہم پہلے طلاق کی صحیح اور مسنون صورت کے تحت درج کر چکے ہیں۔یعنی ایک ہی طلاق دے کر عدت گزر جانے دینا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی طریق طلاق کو پسند فرماتے تھے۔(ابن ابی شیبہ' بحوالہ تفہیم القرآن ج ۵ ص ۵۵۷)

(۲) حسن:

طلاق حسن یہ ہے کہ ہر طہر میں مقاربت کیے بغیر ایک طلاق دے۔یعنی ایک طہر میں پہلی' دوسری میں دوسری اور تیسری میں تیسری اس صورت میں۔

(۱) رجوع کا حق صرف پہلے دو طہروں میں رہتا ہے، تیسری طلاق دیتے ہی حق رجوع باقی نہیں رہتا۔حالانکہ عدت ابھی تقریباً ایک ماہ باقی رہتی ہے۔

(۲) آئندہ جب تک عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے، پھر وہ دوسرا خاوند یا تو مر جائے یا اپنی مرضی سے بغیر کسی سازش یا دباؤ کے طلاق دے دے' زوجین کے باہمی نکاح کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

اس قسم کی طلاق کو عموماً شرعی طریقہ سمجھا جاتا ہے۔حتی کہ پیر کرم شاہ صاحب ازہری نے

فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ یہی ہے کہ ایک ایک طلاق ہر طہر میں دی جائے۔ ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ...... الخ۔'' (مقالات ص ۲۲۹)

ہم حیران ہیں کہ جو طریقہ خود اللہ تعالیٰ بتائیں وہ تو حسن ہو اور احسن طریق اس کی بجائے کچھ اور ہو' یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

مولانا مودودی رحمۃ اللہ مرحوم جو غالباً حنفی ہونے کے ناطے سے ایک مجلس کی تین طلاق ہی واقع ہونے کے شدت سے قائل نظر آتے ہیں، انہوں نے بھی اس طریق طلاق پر یہ تبصرہ فرمایا کہ:

''اس صورت میں تین طہروں میں تین طلاق دینا بھی سنت کے خلاف نہیں ہے۔''

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۵۵۷)

''اور مالکیہ ایسی طلاق کو بدعی مکروہ کا نام دیتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن: ایضاً)

میری معلومات کے مطابق تین طہروں میں تین طلاقیں پوری کرنے کا طریقہ طلاق کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ ابوداؤد میں جو حدیث رکانہ مذکور ہے اس کے آخر میں یہ ذکر ضرور آتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ رائے رکھتے تھے کہ تین طہروں میں طلاقیں دی جائیں۔ اس حدیث کے راوی بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی ہیں' جو فرماتے ہیں کہ رکانہ رضی اللہ عنہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں تو آپ ﷺ کے پاس گئی۔ آپ ﷺ نے رکانہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا ''طلاق کیسے دی'' انہوں نے کہا ''تینوں طلاقیں'' آپ ﷺ نے پوچھا ''ایک ہی مجلس میں؟'' انہوں نے کہا ''ہاں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تو یہ ایک ہی ہوئی' اگر چاہو تو رجوع کر لو' اسی حدیث کے آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ رائے مذکور ہے۔ (حدیث آگے تفصیل کے ساتھ زیر بحث آئے گی)

(۳) بدعی طلاق:

بدعی یہ ہے کہ کوئی شخص (۱) بیک وقت تین طلاق دے دے' (۲) یا ایک طہر کے اندر

الگ الگ اوقات میں تین طلاق دے یا' (۳) حالت حیض میں دے یا' (۴) ایسے طہر میں طلاق دے' جس میں وہ مباشرت کر چکا ہو۔ ان میں سے جو فعل بھی کرے گا' گنہگار ہو گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں طلاق کی اقسام:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) طلاق السنۃ (۲) بدعی مکروہ (۳) بدعی حرام

(۱) جس طریق طلاق کو احناف ''احسن'' کا نام دیتے ہیں' مالکیہ اسی کو ''طلاق السنۃ'' کہتے ہیں۔

(۲) بدعی مکروہ کی شکلیں یہ ہیں۔

(۱) ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کر چکا ہو۔

(۲) ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاقیں دے۔

(۳) عدت کے اندر الگ الگ طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں۔ یعنی وہ طلاق جسے احناف حسن کا نام دیتے ہیں

(۴) بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی جائیں۔

(۳) بدعی حرام یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دی جائے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں طلاق کا صحیح طریقہ وہی ہے جسے احناف احسن کہتے ہیں اور مالکیہ طلاق السنۃ، باقی سب شکلیں بدعت اور حرام ہیں۔ ان کے ہاں بھی تین طہروں میں تین طلاق دینا بدعت اور حرام ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۵۵۸)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) تین طہر میں تین طلاق' (۲) ایک طہر میں تین طلاق' یا (۳) بیک وقت تین طلاق۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان میں سے کسی کو بھی خلاف سنت نہیں سمجھتے۔ ان کے ہاں غلط صورتیں یہ

ہیں (۱) حیض کی حالت میں طلاق دینا اور (۲) ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کر چکا ہو۔

قاری صاحب کے نزدیک طلاق کی صورت:

عدت وطلاق کے ان احکام ومسائل کی تفصیل کے بعد اب ہم قاری عبدالحفیظ صاحب سے مخاطب ہوتے ہیں جن کے نزدیک:

(۱) قرآن مجید میں "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ...... فَاِنْ طَلَّقَھَا " سے طلاق کی وہ قسم ثابت ہوتی ہے جس کو احناف کے علاوہ مالکیہ اور حنابلہ بھی بدعی طلاق سمجھتے ہیں۔

(۲) اگر "ف" کی بجائے "ثم" ہوتا تو طلاق کی وہ قسم ثابت ہوتی جسے احناف تو "حسن" کہتے ہیں اور موالک "بدعی مکروہ"۔

(۳) اور حسن طلاق کا قرآن میں اشارہ تک نہیں ملتا، یہ وہ طریقہ ہے جسے احناف تو "احسن" کہتے ہیں اور باقی ائمہ بھی اسے سنت کے مطابق طلاق سمجھتے ہیں۔

یک بارگی تین طلاق کی کراہت وحرمت کے قرآنی دلائل:

اگرچہ یہ بات متنازعہ فیہ نہیں ہے کہ یکبارگی تین طلاق دے دینا بدعت، حرام اور کار معصیت ہے۔ تاہم اس مسئلہ کو کتاب وسنت سے واضح کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ ہمارے علمائے احناف بجائے اس کے کہ اس کار معصیت کی حوصلہ شکنی کریں، یکبارگی تین طلاق کے وقوع کو ثابت کرنے کے شوق میں اس کی بھرپور حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔ لہٰذا ہم یہاں ایسے دلائل پیش کریں گے جن سے یہ ثابت ہو کہ اگر ایک سے زیادہ طلاقوں کا موقع بن جائے تو بھی طلاقیں متفرق طور پر ہی دینا چاہئیں اور ان کے درمیان وقفہ انتہائی ضروری ہے۔

(پہلی دلیل) طلاقوں کے درمیان وقفہ:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" اور اس کے فوراً بعد "فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ

بِاِحْسَانٍ" کے الفاظ اس بات کی بین دلیل ہیں کہ طلاقیں متفرق طور پر ہوں اور ان کے درمیان وقفہ بھی ضروری ہے۔

مقام حیرت ہے کہ علمائے احناف کو جب شوافع کی مخالفت مقصود ہوتی ہے (جو بیک وقت تین طلاق کو سنت کے خلاف نہیں سمجھتے) تو یہ حضرات تین طلاقوں میں وقفہ کو قرآن کی صراحت کے مطابق ضروری ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتے ہیں اور یکبارگی تین طلاق کو حرام اور کار معصیت قرار دیتے ہیں۔ مگر جب ان کے وقوع کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو "فاء تعقیب" اور "ثم" کے استعمال کا فرق بتا کر بیک وقت تین طلاق کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے جاتے ہیں۔ بہرحال جن نامور علمائے احناف نے طلاقوں کے درمیان وقفہ کو ضروری قرار دیا ہے، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

(۱) ابو بکر جصاص (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۰) زیر آیت "الطلاق مرتٰن" بحوالہ مقالات ص ۱۰۷)

(۲) زمخشری (تفسیر کشاف زیر آیت مذکور)

(۳) شیخ محمد تھانوی استاد مولانا اشرف علی تھانوی (حاشیہ نسائی ج ۲ ص ۲۹، بحوالہ مقالات ص ۸۷۔۸۸)

(۴) مولانا سندھی (حوالہ ایضاً)

(۵) ابو البرکات عبداللہ احمد سلفی (مدارک التنزیل ج ۲ ص ۱۷۷) بحوالہ مقالات ص ۸۸)

(۶) مولانا عبدالحق صاحب (ایضاً)

(۷) مولانا علامہ انور صاحب کاشمیری (فیض الباری ج ۴ ص ۳۸)

(۸) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (تفسیر مظہری زیر آیت مذکور)

(دوسری دلیل) آیت مذکورہ کا شان نزول:

اگر ہم آیت محولہ بالا کے پس منظر یا شان نزول پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دور جاہلیت میں طلاق کی تعداد کا کچھ شمار ہی نہ تھا اور ہر طلاق کے بعد مرد کو عدت کے دوران رجوع کا حق حاصل تھا۔ اس طرح مرد حضرات مظلوم عورت کو خاصا پریشان اور تنگ کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ مردوں کے حق رجوع کو دو تک محدود کر دیا، تاہم بالکل ختم نہیں کیا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ طلاقوں کے درمیان وقفہ ہو۔ شان

نزول سے متعلق درج ذیل دو احادیث ملاحظہ فرمایئے:

(۱) ترجمہ: ''عروہ بن زبیر کہتے ہیں' پہلے یہ دستور تھا کہ مرد اپنی عورت کو طلاق دیتا' جب عدت پوری ہونے لگتی رجعت کر لیتا۔ وہ ایسا ہی کرتا اگرچہ ہزار مرتبہ طلاق دے۔ ایک شخص نے اپنی عورت کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ اس کو طلاق دی جب عدت گزرنے لگی تو رجعت کر لی۔ پھر طلاق دے دی اور کہا ''خدا کی قسم! نہ تو میں تجھے اپنے ہاں جگہ دوں گا اور ہی کسی سے ملنے دوں گا'' تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ طلاق (رجعی صرف) دوبار ہے۔ پھر یا تو پہلے طہر پر اسے اپنے ہاں رکھو یا پھر اسے اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔ اس دن سے لوگوں نے از سرِ نو طلاق شروع کی۔ جنہوں نے طلاق دی تھی' انہوں نے بھی اور جنہوں نے نہ دی تھی انہوں نے بھی۔''

(۲) ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرد جتنی بھی طلاقیں چاہتا اپنی عورت کو دیئے جاتا اور عدت کے اندر پھر رجوع کر لیتا' اگرچہ وہ مرد سو بار یا اس سے بھی زیادہ طلاقیں دیتا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک (انصاری) مرد نے اپنی بیوی سے کہا ''اللہ کی قسم! میں نہ تو تجھے طلاق دوں گا کہ تو مجھ سے جدا ہو سکے اور نہ ہی تجھے بساؤں گا۔'' اس عورت نے پوچھا ''وہ کیسے؟'' کہنے لگا ''میں تجھے طلاق دوں گا' جب تیری عدت گزرنے کے قریب ہو گی تو رجوع کر لوں گا'' وہ عورت یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور اپنا دکھڑا سنایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ماجرا بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش رہے' حتیٰ کہ قرآن نازل ہوا' طلاق صرف دوبار ہے۔ پھر یا تو ان مطلقہ عورتوں کو ٹھیک طور پر اپنے پاس رکھو یا پھر اچھی طرح سے رخصت کر دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس دن سے لوگوں نے نئے سرے سے طلاق شروع کی۔ جس نے طلاق دی تھی اس نے بھی اور جس نے نہ دی تھی اس نے بھی۔''

تیسری دلیل:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ — اور جب تم عورتوں کو طلاق دو' پھر وہ اپنی

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ . الاٰية. (البقرہ:۲۳۲)

عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کی عدت گزرنے کے بعد بھی اپنے پہلے خاوند سے نئے نکاح کے جواز کی صورت پیش فرمائی ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی نہ دی گئی ہوں۔ یعنی تیسری آخری طلاق سے پہلے ایک یا دو رجعی طلاق کے بعد، یا پھر اس صورت میں کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا گیا ہو۔

چوتھی دلیل:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ. (البقرہ:۲۳۱)

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور اس کی عدت پوری ہونے لگے تو یا تو انہیں بھلائی کے ساتھ اپنے پاس رکھو یا شائستہ طور پر رخصت کر دو۔

اس آیت سے بھی یک مجلسی تین طلاق دینا' پھر انہیں تین ہی شمار کر لینا منشائے الٰہی کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

پانچویں دلیل:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا. (الطلاق:۱)

'اے نبی ﷺ (مسلمانوں سے کہہ دیجئے) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے لیے طلاق دو اور عدت کا شمار کرتے رہو .... تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد (بہتری یعنی رجوع کی) سبیل پیدا کر دے۔

اب دیکھئے اگر عورت کو ایک دفعہ تین طلاق دے کر پھر انہیں تین ہی شمار کرلیا جائے تو بہتری یا رجوع کا کوئی موقع باقی رہ جاتا ہے؟ "لَعَلَّ اللہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا" کے الفاظ اس بات کے متقاضی ہیں کہ اگر طلاق دی جائے تو رجعی ہی ہونی چاہئے۔ عدت کا شمار بھی اسی لحاظ سے سودمند ثابت ہوسکتا ہے۔

چھٹی دلیل:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْفَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ الاٰیۃ'. (الطلاق:۲)

پھر جب مطلقہ عورتیں اپنی میعاد (یعنی انقضائے عدت) کو پہنچ جائیں تو انہیں یا تو ٹھیک طرح اپنی زوجیت میں رکھو یا اچھی طرح سے علیحدہ کردو۔

مندرجہ بالا تمام آیات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کے بعد مرد کے حق رجوع کو بحال رکھا ہے اور دور جاہلیت کے لامحدود حق رجوع کو دو بار تک محدود کر دیا ہے۔ کتاب و سنت میں کوئی ایسی نص موجود نہیں جو مرد کے اس حق رجوع کو ساقط قرار دیتی ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غصے میں آ کر یا حماقت کی وجہ سے اکٹھی تین طلاقیں دے بیٹھے تو اولا یہ حق رجوع کہاں باقی رہا؟ ثانیاً یہ دیکھنا ہے کہ تب اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ اس سلسلہ میں احادیث سے پوری رہنمائی مل جاتی ہے۔

۞۞۞

ایسی احادیث جو ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک واقع ہونے پر نص قطعی ہیں

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک ایسا تھا کہ جب کوئی یک بارگی تین طلاق دیتا تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''لوگوں نے اس کام میں جلدی کرنا شروع کی، جس میں انہیں مہلت ملی تھی۔ سو اس کو اگر ہم نافذ کر دیں تو مناسب ہے'' پھر انہوں نے اسے جاری کر دیا۔ یعنی قانون نافذ کر دیا کہ یکبارگی کی تین طلاق فی الواقع تین ہی شمار ہوں گی۔

(۲) ابوالصہباء نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا ''کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امارت میں بھی تین سال تک تین طلاقوں کو ایک بنا دیا جاتا تھا؟'' تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''ہاں''

(۳) ابوالصہباء نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا ''ایک مسئلہ تو بتایئے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک ہی شمار نہ ہوتی تھیں؟'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، ''ہاں ایسا ہی تھا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگ اکٹھی طلاقیں دینے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لوگوں پر نافذ کر دیا''

اگرچہ یہ تین الگ الگ احادیث ہیں، مگر مضمون تقریباً ایک ہی جیسا ہے۔ صحیح مسلم کی ان احادیث سے درج ذیل امور کا پتہ چلتا ہے:

(۱) دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، دور صدیقی اور دور فاروقی کے ابتدائی دو تین سالوں تک بھی لوگ

یکبارگی تین طلاق دینے کی بری عادت میں مبتلا تھے اور یہ عادت دورِ جاہلیت سے متواتر چلی آ رہی تھی، جو دورِ نبوی ﷺ میں بھی ختم نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ دورِ نبوی ﷺ میں ایک شخص نے یکبارگی تین طلاقیں دیں تو آپ غصہ کی وجہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا ''میری زندگی میں ہی کتاب اللہ سے یوں کھیلا جا رہا ہے؟''

(۲) لوگوں کی اس بدعادت پر انہیں زجر و توبیخ تو کی جاتی تھی، کیونکہ یہ طریق طلاق کتاب و سنت کے خلاف تھا۔ تاہم ۱۵ھ تک عملاً یکبارگی تین طلاق کو ایک ہی قرار دیا جاتا تھا اور اس معصیت اور حماقت کے باوجود ان سے حق رجوع کو سلب نہیں کیا جاتا تھا۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ''**فلو امضیناہ علیھم**'' اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تعزیز و تادیب کے لیے تھا، تاکہ لوگ اس بری عادت سے باز آ جائیں۔ اور اس لحاظ سے کہ آپ ﷺ نے یہ فیصلہ سرکاری اعلان کے ذریعہ نافذ کیا تھا، اس کی نوعیت سیاسی بن جاتی ہے۔ گویا یہ ایک وقتی اور عارضی قسم کا آرڈیننس تھا۔

(۴) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی شرعی بنیاد موجود ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہ یقیناً استنباط کر کے لوگوں کو مطلع فرماتے۔ جیسا کہ عراق کی زمینوں کو قومی تحویل میں لیتے وقت آپ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے استنباط کو درست تسلیم کر کے اس سے پورا پورا اتفاق کر لیا تھا۔ چنانچہ اگر آپ رضی اللہ عنہ کسی آیت یا حدیث سے استنباط کر کے لوگوں کو مطلع کر کے یہ فیصلہ نافذ کرتے، تو پھر واقعی اس فیصلہ کی شرعی اور دائمی حیثیت بن سکتی تھی۔

صحیح مسلم کی مندرجہ بالا احادیث کے رجال چونکہ نہایت ثقہ ہیں، اس لیے ''تطلیق ثلاثہ'' کے قائلین ان احادیث کو ضعیف یا مجروح کہنے کی جرأت تو نہ کر سکے۔ البتہ ان احادیث کو اور بالخصوص ابن عباس رضی اللہ عنہ والی پہلی حدیث کو بے اثر بنانے اور اس کی افادیت کو ختم کرنے کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتے ہیں اور بہت سے اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں، جنہیں جوابات کا نام دیا جاتا ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ صحیح مسلم کی ایسی معتبر احادیث کی تاویلات ان حضرات کی طرف سے پیش کی گئی ہیں، جو اپنے موقف کی حمایت میں ضعیف اور مجروح روایات (بالخصوص ایسی روایات جو تیسرے اور چوتھے درجہ کی

کتابوں میں مذکور ہیں) پیش کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

ان اعتراضات یا جوابات جن کی تعداد دس تک جا پہنچی ہے، انہیں ہم ذیل میں درج کر کے ان کے جواب بھی لکھیں گے۔ یہ یاد رہے کہ ان اعتراضات یا جوابات میں سے پہلے تین جوابات ہمارے قاری عبدالحفیظ صاحب نے بھی ''منہاج'' میں پیش فرمائے ہیں۔

(پہلا اعتراض) یہ حدیث منسوخ ہے:

حیرت ہے کہ حدیث تو منسوخ ہوگئی' مگر اس کا دور نبوی میں بھی کسی کو پتہ نہ چل سکا، دور صدیقی میں بھی اور دور فاروقی کے ابتدائی دو تین سال تک بھی۔ اور حدیث بھی ایسی جس کا تعلق زندگی کے ایک نہایت اہم گوشہ اور حلت و حرمت سے ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کونسی آیت یا حدیث اس حدیث کی ناسخ ہے؟ یا کیا یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے منسوخ ہوگئی تھی؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو خود فرما رہے ہیں کہ لوگوں نے اس معاملہ میں جلدی کی' جس میں ان کے لیے مہلت تھی۔ تو کیا کسی منسوخ حکم میں بھی مہلت ہوا کرتی ہے؟ نیز حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی امتی کا قول ناسخ کیونکر ہوسکتا ہے؟

(دوسرا اعتراض) یہ حکم غیر مدخولہ کا ہے:

اس اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ ابوداؤد میں ایک حدیث اس مضمون کی بھی موجود ہے۔ (منہاج ایضاً)

جواب: ابوداؤد میں اس مضمون کی دو روایات ہیں اور دونوں ''**ابو الصہباء عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ'' کی سند سے مروی ہیں۔ دوسری حدیث کا مضمون بالکل وہی ہے جیسا کہ ہم نے صحیح مسلم کی حدیث نمبر دو اوپر درج کی ہے۔ یعنی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کا حکم ہر طرح کی مطلقہ کے لیے تھا۔ جب کہ ابوداؤد کی پہلی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ غیر مدخولہ کی تین طلاقوں کو ایک بنایا جاتا تھا۔

اب دیکھئے تین احادیث صحیح مسلم میں ہیں۔ ایک حدیث نسائی میں اور ایک ابوداؤد میں، ان پانچ احادیث میں علی الاطلاق یہ ذکر ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بنا دیا

جاتا تھا۔لیکن ابوداؤد والی حدیث ضعیف ہے۔امام نووی شارح صحیح مسلم نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔کیونکہ طاؤس سے روایت کرنے والے مجہول لوگ ہیں (نووی شرح مسلم ص ۱۴۷۸) تاہم اگر اسے صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو ایک عام حکم کو خاص کے تحت کیسے لایا جاسکتا ہے؟

(تیسرا اعتراض) اس حدیث میں کوئی حکم نہیں بلکہ یہ محض اطلاع ہے

اور وہ اطلاع یا خبر یہ ہے کہ دور فاروقی تک لوگ صرف ایک ہی طلاق پر اکتفا کرتے تھے اور اکٹھی تین طلاقیں دینے سے پرہیز کیا کرتے تھے۔(منہاج ایضاً)

جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی

یہ اعتراض' تاویل یا جواب دراصل تاویل وتعبیر نہیں بلکہ صحیح معنوں میں تحریف ہے جس میں حقیقت کو یکسر الٹا کر یہ توجیہ پیش کی گئی ہے۔حدیث کے مطابق تو واقعہ یہ ہے' ابوالصہباء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں کہ ''آپ کو معلوم ہے کہ دور نبوی' صدیقی اور فاروقی کے ابتدائی دو سالوں تک ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بنا دیا جاتا تھا؟'' تو اس سوال کا جواب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اثبات میں دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''ہاں میں جانتا ہو'' اب سوال یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دی ہی نہیں جاتی تھیں تو ایک کس چیز کو بنایا جاتا تھا؟

قاری صاحب محترم کے پیش کردہ تین جوابات ختم ہوئے۔اب مزید ''جوابات'' کی تفصیل دیکھئے۔

(چوتھا اعتراض) تین طلاقیں کہنے سے مراد محض ایک کی تاکید تھی:

کہا جاتا ہے یہ حدیث الفاظ کی تکرار کے سلسلہ میں ہے۔جیسے کوئی یوں کہے ''اَنْتِ طَلِقٌ' اَنتِ طَلِقٌ' اَنْتِ طَلِقٌ'' تو صدر اول میں دلوں کی سلامتی کے باعث لوگوں کا یہ عذر قبول کرلیا جاتا تھا کہ ان کا ارادہ تو حقیقتاً صرف ایک طلاق کا تھا' تین بار الفاظ محض تاکید کے لیے کہے گئے تھے۔مگر بعد کے دور میں فریب دہی زیادہ ہوگئی' جس کے باعث تاکید کا

دعویٰ قبول کرنا ممکن نہ رہا۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہری الفاظ اور تکرار کو ہی اصل بنیاد قرار دے کر تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔'' (فتح الباری ج۹)

قاری صاحب موصوف نے بھی اس ''جواب'' کو رسالہ مذکور کے ص ۳۰۷ پر ایک دوسرے عنوان کے تحت پیش کیا ہے اور مولانا مودودی بھی اس تاویل کو پسند فرماتے ہیں۔ (تفہیم القرآن ایضاً)

یہ جواب اس لیے غلط ہے کہ شرعی فیصلے تو ہمیشہ ظاہر پر ہی ہوا کرتے ہیں۔ دور نبوی ﷺ میں یہی دستور تھا' خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی یہی دستور تھا اور آج کی عدالتوں میں بھی یہی دستور ہے۔ (باطن یا نیت کے مطابق فیصلے کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ بندوں کا نہیں) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہر پر فیصلہ کا مدار رکھا تو یہ اصولاً کوئی نیا کام نہیں تھا۔ حالانکہ وہ خود اعتراف فرما رہے ہیں کہ انہوں نے کچھ نیا کام کیا تھا جو دور نبوی ﷺ اور صدیقی کے تعامل کے برعکس تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تین طلاقوں کو ایک بنانے کا حکم مستقل قائم بالذات تھا۔ بالعموم ایسے معاملات میں لوگوں کی نیتوں کو ٹٹولا نہیں جاتا تھا۔

(پانچواں اعتراض) یہ حدیث غیر مشہور ہے:

کہا جاتا ہے ''معاملہ اس قدر اہم ہو اور روایت صرف اکیلے ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کریں' یہ بات باعث تعجب ہے۔''

یہ اعتراض ابن رشد قرطبی نے اٹھایا پھر خود ہی یہ کہہ کر اس کی تردید کر دی کہ محض اس وجہ سے کسی حکم کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

امام محمد بن اسماعیل یمنی صنعانی شارح بلوغ المرام نے اپنی تالیف سبل السلام (ج ۲ ص ۱۱۴) پر اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے' کہ ''کتنے ہی ایسے مسائل ہیں جو صرف ایک راوی کی روایت ہونے کے باوجود قبول کر لیے گئے...... تو پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو' جو حبر الامۃ ہیں' کیوں قبول نہیں کیا جاسکتا؟''

(چھٹا اعتراض) حدیث موقوف ہے:

کہا جاتا ہے ''اس حدیث میں کہیں یہ تصریح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس بات کا علم تھا کہ مسلمان لوگ تین طلاقوں کو ایک بنا رہے ہیں۔ دلیل تو تب بن سکتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوتا اور آپ ﷺ اسے نہ روکتے۔''

اس اعتراض کا جواب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ ''صحابی جب یہ کہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے تو یہ مرفوع کا حکم رکھتا ہے اور ایسے معاملات کو اس بات پر محمول سمجھا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسے معاملات کا خواہ یہ چھوٹے ہوں یا بڑے، علم ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے انہیں برقرار رکھا۔''

علاوہ ازیں معترضین کے اعتراض کی رو سے صورت حال یوں بنتی ہے کہ دور نبوی میں مسلمان ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بنا کر اسے رجعی قرار دے لیا کرتے تھے۔ حالانکہ حقیقتاً وہ تین ہی پڑ جاتی تھیں اور عورت فی الواقع طلاق دینے والے پر حرام ہو جاتی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں یہ بات نہ آئی نہ لائی گئی تھی۔ اس طرح آپ ﷺ کی زندگی ہی میں نعوذ باللہ زنا ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ بھی خاموش دیکھتا رہا اور اس کا رسول ﷺ بھی؟

(ساتواں اعتراض) راوی کا فتویٰ روایت کے خلاف ہے:

کہا جاتا ہے ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی، جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

اس اعتراض کے دو جواب ہیں:

(۱) اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ:

''اِنَّ الْاِعْتِبَارَ لِرِوَايَةِ الرَّاوِیْ لَا بِرَأْيِه'' یعنی ''راوی کی روایت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ اس کی رائے کا'' اور اس قاعدہ کی بنیاد یہ ہے کہ ''فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللهِ وَالرَّسُوْلِ''

(۲) تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس حدیث کے خلاف نہیں۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہی واقع ہونے کے قائل رہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم حالات کا لحاظ رکھ کر دونوں طرح کے فتوے دیا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ انہی میں سے تھے (تفصیل آگے آرہی ہے) آپ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ جو ابوداؤد میں مذکور ہے' وہ یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ یکبارگی تین طلاق کو ایک ہی تصور فرماتے تھے۔ فتویٰ کی عبارت یوں ہے:

اِذُقَالَ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا بِفَمٍ وَاحِدٍ فَهِيَ وَاحِدَۃٌ. (ابو داؤد' کتاب الطلاق)

جب کسی نے (اپنی بیوی سے) ایک ہی وقت میں تین طلاق کہا تو یہ ایک ہی ہوگی۔

(آٹھواں اعتراض) یہ حدیث بخاری میں کیوں مذکور نہیں؟

کہا جاتا ہے اگر یہ حدیث فی الواقع قابل اعتماد ہوتی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے اپنی بخاری میں درج فرماتے۔

جواب:

(۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ انہوں نے تمام صحیح احادیث کو اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض تو محض ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دینے والی بات ہے۔

(۲) امت مسلمہ نے بخاری و مسلم دونوں کتابوں کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اسی لیے انہیں صحیحین کا نام دیا گیا ہے' چنانچہ یہ اعتراض محض برائے اعتراض ہے۔

(۳) اگر معترض حضرات کے نزدیک صحیح مسلم' صحیح بخاری کے درجہ میں کمتر درجہ کی کتاب ہے تو کیا اس مسئلہ کی طرح آپ دیگر مفردات "مسلم" کو بھی ایسے اعتراض کا نشانہ بنانے کے لیے تیار ہیں؟

(نواں اعتراض) سنت کی مخالفت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

اعتراض یہ ہے کہ "اگر اس حدیث کو درست تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنت کی مخالفت کی۔"

جواب: اگر آپ ﷺ کے اس فیصلے کو شرعی اور دائمی کی بجائے تعزیری اور عارضی تسلیم کر لیا جائے تو یہ اعتراض از خود ختم ہو جاتا ہے اور حقیقت ہے بھی یہی' ہاں یہ مشکل تو ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنے اماموں کے قیاس کو درست قرار دینے کی خاطر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو شرعی اور دائمی ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

خلیفہ وقت کو مصالح امت کی خاطر شریعت کی رعایتوں کو سلب کرنا یا از خود کوئی تعزیر تجویز کرنے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں' جن کے تحت وہ تعزیری یا عارضی قسم کے قوانین نافذ کر سکتا ہے۔ انہی اختیارات کو بروئے کار لا کر آپ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ یکبارگی تین طلاق کے نفاذ کا قانون نافذ کیا، بلکہ ایسے طلاق دہندہ کو آپ رضی اللہ عنہ سزا بھی دیتے تھے۔ انہی اختیارات کی رو سے آپ رضی اللہ عنہ شراب کی دکانوں اور شراب کشید کرنے والی بھٹیوں کو آگ بھی لگا دیا کرتے تھے۔

(دسواں اعتراض) ''اجماع امت؟'':

یہ دراصل اعتراض یا جواب یا تاویل و تعبیر نہیں' بلکہ ایک اپیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے بعد اس پر امت کا اجماع ہو گیا تھا۔ لہٰذا اب کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کے خلاف عمل کرے۔

جواب: اس مزعومہ ''اجماع'' کا ذکر ہمارے قاری عبدالحفیظ صاحب نے بھی فرمایا ہے' جس کی حقیقت ہم آگے چل کر نہایت تفصیل سے پیش کر رہے ہیں۔

حدیث رکانہ (مسند احمد) اور اس پر اعتراضات:

مخالفین تطلیق ثلاثہ کی طرف سے مسلم کی تین احادیث کے بعد چوتھی حدیث ''حدیث رکانہ'' پیش کی جاتی ہے۔ جس کے متعلق امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہیں:

حدثنا محمد بن ابراهيم، حدثنا ابى عن محمد بن اسحق حدثنى داود الحصين عن عكرمة مولىٰ	عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رکانہ رضی اللہ عنہ بن عبد یزید بنو مطلب کے بھائی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں

ابن عباس عن ابن عباس قال طلق رکانة بن عبدیزید اخوبنی مطلب امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیها حزنا شدیدا فقال فسأله رسول الله ﷺ کیف طلقتها؟ قال طلقتها ثلاثا قال فی مجلس واحد؟ قال نعم قال انما تلک واحدة فارجعها ان شئت. قال فرجعها فکان ابن عباس یریٰ انما الطلاق عند کل طهر. (مسند احمد' ج۱' ص۲۶۵)

دے دیں۔ پھر اس کی جدائی کا بہت غم ہوا۔ رکانہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا "تم نے طلاق کیسے دی تھی؟" رکانہ نے کہا "میں تو تین طلاق دے چکا ہوں" آپ ﷺ نے پوچھا "کیا ایک ہی مجلس میں؟" رکانہ رضی اللہ عنہ نے کہا "ہاں ایک ہی مجلس میں" آپ ﷺ نے فرمایا "تو یہ ایک ہی ہوئی اگر چاہو تو رجوع کر لو" ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر رکانہ رضی اللہ عنہ نے رجوع کر لیا۔ اس حدیث کی روشنی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طلاق کے متعلق یہ رائے تھی کہ تین طلاق ایک ساتھ نہیں بلکہ ہر طہر میں الگ الگ ہونی چاہیے۔

احادیث مسلم کی طرح اس حدیث پر کئی اعتراضات کیے گئے ہیں' جن میں سے چار قابل ذکر اعتراضات درج ذیل ہیں:

پہلا اعتراض:

اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق اور ان کے استاد کے متعلق علمائے جرح وتعدیل کا اختلاف ہے۔ لہٰذا یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی۔

جواب: ابن حجر کہتے ہیں کہ اس سند سے کئی احکام میں احتجاج کیا گیا ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کا اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے نکاح کی بنا پر چھ سال بعد ان کے خاوند ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیع کے ایمان لانے پر انہیں لوٹانا (یہ حدیث ترمذی میں مذکور ہے' باب ماجاء فی الزوجین المشرکین سلم احدہما) تو جب دوسرے مسائل میں اسی سند سے احتجاج کیا جا سکتا ہے' تو آخر اس مسئلہ میں کیوں نہیں کیا جا سکتا؟"

دوسرا اعتراض:

یہ حدیث ابوداؤد میں بھی مذکور ہے۔اس میں تین طلاق کے بجائے ''طلاق البتہ'' کے الفاظ ہیں۔ممکن ہے راوی نے طلاق البتہ سے تین طلاقیں سمجھ لی ہوں اور اپنی سمجھ کے مطابق بیان کر دیا ہو۔

جواب: ابوداؤد میں اس سے ملتے جلتے ایک کے بجائے دو واقعات مذکور ہیں اب چونکہ ان تینوں احادیث میں لفظ رکانہ موجود ہے' لہٰذا خواہ مخواہ خلط مبحث سے اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ابوداؤد میں جو دو احادیث ہیں، وہ بھی الگ الگ واقع ہیں' جو درج ذیل ہیں:

(۱) راوی نافع ....رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی۔

(۲) راوی ابن جریج ....ابورکانہ نے ام رکانہ کو تین طلاقیں دیں۔

ابوداؤد پہلی روایت کو بہتر قرار دیتے ہیں۔لیکن ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق یہ دونوں ہی ضعیف ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ پہلی ضعیف ہے اور دوسری ضعیف تر۔

رہی مسند احمد میں مندرج حدیث رکانہ تو وہ اسناد کے لحاظ سے ان دونوں سے بہت قوی ہے اور اس کی سند بھی بالکل الگ ہے۔

تیسرا اعتراض:

اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔جن کا فتویٰ اس حدیث کے خلاف ہے۔اس اعتراض کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے، مختصراً یہ کہ راوی کی روایت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ اس کے فتویٰ کا۔

چوتھا اعتراض:

یہ مذہب شاذ ہے' اس لیے اس پر عمل نہ ہوگا۔دوسرے الفاظ میں یہ اعتراض یوں ہے کہ یہ مذہب جمہور کے مذہب کے خلاف ہے' جس پر اتفاق ہے۔اس شاذ مذہب یا جمہور کے اجماع اتفاق پر ہم آگے چل کر تفصیل سے بحث کریں گے۔

تطلیق ثلاثہ کے ثبوت میں قاری صاحب کی پیش کردہ دو احادیث

پہلی حدیث: لعان کے بعد کی طلاقیں:

'عن سهل بن سعد في هذا الخبر قال: طلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فانفذه رسول الله ﷺ. (ابوداؤد ص ٦-٣، طبع کانپور)

حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور آپ ﷺ نے انہیں نافذ کر دیا (اس حدیث میں ''عند رسول الله ﷺ'' اور ''فانفذه'' کے الفاظ قابل غور ہیں۔ (منہاج مذکورہ ص ۳۰۴)

یہ روایت نقل کرنے کے بعد قاری عبدالحفیظ صاحب فرماتے ہیں کہ ''اس روایت کے راوی ثقہ ہیں، لیکن عیاض بن عبداللہ الفہری پر بعض حضرات نے ضعف کا حکم لگایا ہے۔ بعد ازاں قاری صاحب اس روایت کے رواۃ کو ثقہ تسلیم کرانے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور تان یہاں آ کر ٹوٹتی ہے کہ ''امام خطابی کی تصریح کے مطابق ابوداؤد کی کتاب موضوع سے بالکل خالی ہے اور ان جملہ قسموں (موضوع، مجہول، ضعیف) سے مبرا ہے۔ عمدة الاثاث في حكم الطلقات الثلاث ص ١٩۔ (منہاج ص ۳۰۵)

اب دیکھئے اگر قاری صاحب موصوف یا خطابی صاحب کی سنن ابی داؤد کے متعلق بات درست تسلیم کر لی جائے تو درج ذیل سوالوں کا کیا جواب ہوگا؟

(۱) صحت کے لحاظ سے ابوداؤد کو دوسرے درجہ کی کتابوں میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟

(۲) عویمر عجلانی کا واقعہ بلا مبالغہ صحیحین میں بیسیوں مقامات میں مذکور ہے۔ لیکن ''فانفذ'' کا لفظ جس پر قاری صاحب کی دلیل کا سارا دارومدار ہے، آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

(۳) اگر ابوداؤد اتنی صحیح کتاب ہے تو پھر آپ کو ابوداؤد کی یہ حدیث بھی تسلیم کر لینا چاہئے جس میں مذکور ہے کہ ابورکانہ نے ام رکانہ کو تین طلاقیں دیں اور نئی بیوی سے نکاح کر لیا۔ام رکانہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے ابورکانہ کو بلا کر کہا کہ ''ام رکانہ سے رجوع کرلو''۔ابورکانہ نے کہا ''میں تو تین طلاق دے چکا ہوں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میں جانتا ہوں' رجوع کرلو۔'' (ابوداؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعۃ)

اگر قاری صاحب ابوداؤد کی یہ حدیث بھی ضعیف' مجہول اور موضوع سے پاک تسلیم فرما لیں تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے۔کیونکہ یہ حدیث بھی یکبارگی تین طلاق کے ایک واقع ہونے میں نص قطعی کا درجہ رکھتی ہے۔

(۴) اگر فی الواقع رسول اللہ ﷺ نے یکبارگی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا تھا تو اتنی مدت بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا چیز نافذ کی تھی؟ جس کے متعلق وہ خود فرما رہے ہیں کہ ''فَلَوْ اَمْضَیْنَاہُ عَلَیْهِمْ''

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

اس قسم کی حدیثوں کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولم ینقل احد من النبی صلی اللہ علیه وسلم باسناد منقول ان احد طلق امراءته بکلمة واحدة فالزمه الثلاث بَلْ رُوِیَ فِی ذلک احادیث کلها باتفاق اهل العلم کذبةٌ ولکن جاء فی حدیث صحیحة ان فلانا طلق امراته ثلاثا ای متفرقة. (فتاوی ابن تیمیہ ج ص ۸۸ بحوالہ مقالات ص ۲۱۴)

کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اسناد کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ نقل نہیں کیا ہے کہ کسی شخص نے بیک کلمہ تین طلاقیں دی ہوں اور آپ ﷺ نے ان تین طلاقوں کو لازم کر دیا ہو بلکہ اس سلسلہ میں جو حدیثیں بھی مروی ہیں' وہ باتفاق اہل علم جھوٹی ہیں۔ ہاں احادیث صحیحہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے متفرق طور پر تین طلاقیں دی تھیں۔

(دوسری حدیث) لعان کے بعد کی طلاقیں:

قاری صاحب موصوف نے جو دوسری حدیث پیش فرمائی وہ بھی عویمر عجلانی کے لعان والے واقعہ سے متعلق ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ یوں ہیں:

قال عویمر کذبت علیها یا رسول الله ان امسکتها فطلقها ثلاثا قبل ان یامره رسول الله ﷺ. (بخاری مسلم، السنن الکبریٰ)

حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے لعان کرنے کے بعد آپ ﷺ کے فیصلہ کرنے سے قبل یہ کہا کہ اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹ باندھا تھا۔ لہٰذا عویمر رضی اللہ عنہ نے فوراً آپ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ (منہاج ص ۳۰۵)

دیکھئے میاں بیوی کے درمیان جدائی کی پانچ اقسام ہیں:

(۱) ایلاء (۲) ظہار (۳) طلاق (۴) خلع (۵) لعان۔

ان سب میں سے سخت اور شدید تر قسم لعان ہے۔ لہٰذا جدائی کی یہ قسم مرد کے ایک یا تین طلاقیں دینے کی قطعاً محتاج نہیں اور حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے تین طلاق کے الفاظ کہہ کر محض اپنے دل کی حسرت مٹائی تھی، کیونکہ لعان سے جو دائمی جدائی ہوتی ہے، وہ طلاق مغلظہ سے بھی شدید تر ہوتی ہے۔ (بخاری کتاب الطلاق باب التفریق بین المتلاعنین)

اس بات میں تو اختلاف کیا جاسکتا ہے کہ یہ جدائی لعان کے فوراً بعد از خود ہی موثر ہوتی ہے یا قاضی کے فیصلہ کی بھی محتاج ہے، جیسا کہ لعان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ "لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا" (اب تمہارا اس عورت سے کوئی سروکار نہیں) لیکن اس بات میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ اس موقعہ پر مرد کا طلاقیں دینا ایک عبث اور زائد از ضرورت فعل ہے۔ دورِ نبوی ﷺ میں عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے علاوہ لعان کا ایک اور واقعہ بھی ہوا تھا۔ ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ اور ان کی بیوی نے آکر آپ ﷺ کے سامنے لعان کیا اور قسمیں کھائیں تو ہلال بن امیہ کے طلاق یا طلاقیں دینے کے بغیر ہی مکمل

جدائی ہوگئی۔ (بخاری کتاب الطلاق)

لعان' جدائی کی شدید تر قسم:

اب ہم یہ وضاحت کریں گے کہ لعان کن کن امور میں طلاق سے شدید تر ہوتا ہے۔

(۱) احسن طلاق یا طلاق السنہ (صرف ایک طلاق دے کر پوری عدت گزر جانے دینا) کے بعد زوجین آپس میں تجدید نکاح کے ذریعہ پھر اکٹھے ہو سکتے ہیں اور تین طلاق یا طلاق مغلظہ کے بعد ''حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَهٗ'' کی شرط ٹھیک طور پر پوری ہونے کے بعد (نہ کہ حیلہ سازی سے) سابقہ زوجین پھر نکاح کر سکتے ہیں' مگر لعان کے ذریعہ جدائی اتنی سخت ہوتی ہے کہ بعد میں ان کے اکٹھے ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

(مؤطا امام مالک کتاب الطلاق' باب جامع الطلاق)

(۲) طلاق کے بعد عورت متعہ کی حق دار ہوتی ہے لیکن لعان کی صورت میں اسے متعہ نہیں ملے گا۔ (بخاری کتاب الطلاق' باب المتعة التی لم یفرض لها)

(۳) طلاق کے بعد نومولود (اگر کوئی ہو تو اس) کا نسب باپ سے چلتا ہے۔ لعان کی صورت میں یہ نسب ماں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ (بخاری کتاب الطلاق' باب یلحق الولد بالملاعنة)

(۴) طلاق کی صورت میں نومولود (اگر کوئی ہو تو) والد کا وارث ہوتا ہے۔ لیکن لعان کی صورت میں بچہ ماں کا وارث' ماں بچے کی وارث ہوتی ہے۔ ماں کے خاوند سے نومولود کا یا اس کی ماں کا کسی قسم کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ (بخاری' کتاب الطلاق)

انہی وجوہ کی بنا پر علمائے احناف نے بھی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے تین طلاق کہنے سے تطلیق ثلاثہ کے جواز پر احتجاج نہیں کیا۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل عبث تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش کیوں رہے؟ اس کے دو عدد جوابات ممتاز حنفی عالم شمس الائمہ سرخسی کی زبانی سنیے' جو انہوں نے اپنی تالیف ''مبسوط'' میں بیان فرمائے ہیں:

(۱) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو ٹوکا نہیں تو یہ بات شفقت کی بنا پر

تھی۔ کیوں کہ یہ ممکن تھا کہ شدت غضب کی بنا پر وہ آپ ﷺ کی بات قبول نہ کر پاتے اور کافر ہو جاتے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے دوسرے وقت کے لیے ٹوکنے کو مؤخر کر دیا۔ اور اتنا اسی وقت فرمادیا کہ "**لا سبیل لک علیھا** "یعنی" تجھے اب اس عورت پر کچھ اختیار نہیں رہا"

(۲) "یا یہ بات ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا اس لیے مکروہ ہے کہ تلافی کا دروازہ بلاضرورت بند ہوتا ہے اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں یہ بات موجود نہیں۔ کیونکہ لعان کرنے والے جب لعان پر مصر ہوں تو تلافی کا دروازہ یوں بند ہوتا ہے کہ پھر کبھی کھل نہیں سکتا اور عویمر رضی اللہ عنہ اس بات پر مصر تھے۔" (مقالات ص ۱۴۷)

مجوزین تطلیق ثلاثہ کے مزید دلائل:

جہاں تک قاری صاحب کی پیش کردہ دو احادیث کا تعلق تھا تو ان کا جواب ہو چکا اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان تمام احادیث کا بھی جائزہ لے لیا جائے جو تطلیق ثلاثہ کے واقع ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہیں، تاکہ مسئلہ زیر بحث کے سب پہلو سامنے آجائیں۔

تیسری حدیث:

فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس کہتی ہیں کہ:

طلقنی زوجی ثلاثا فلم یجعل رسول اللہ سکنٰی ولا نفقة.	مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے (میرے شوہر کے ذمہ) نہ رہائش رکھی اور نہ نفقہ۔

اس حدیث سے استدلال یوں کیا جاتا ہے کہ اگر تین طلاق ایک ہی رجعی طلاق شمار ہوتی تو یقیناً سکنی اور نفقہ شوہر کے ذمہ ہوتا۔ شوہر کے سکنٰی اور نفقہ سے سبکدوش ہونے کی ممکن صورت ہی یہ ہے کہ تین طلاقوں کو تین ہی (یعنی مغلظہ) قرار دیا جائے۔

جواب:

(۱) یہ استدلال اس لیے مبہم ہے کہ ثلاثا کے لفظ سے قطعاً یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ تین طلاقیں متفرق اوقات میں دی گئی تھیں یا ایک ہی مجلس میں؟

(۲) مزید برآں مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ یہ تیسری اور آخری طلاق تھی' جو فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس کے شوہر عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے دی تھی۔ اس روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں۔

طلقها اخر ثلاث تطليقات. یعنی عمرو رضی اللہ عنہ بن حفص نے آخری تیسری طلاق دی تھی۔ (مسلم کتاب الطلاق' باب المطلقہ البائن لانفقۃ لہا)

(۳) اور مسلم ہی کی ایک اور روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں:

فارسل إلٰى امرأته فاطمة بنت قيس كانت بقت من طلاقها یعنی عمرو رضی اللہ عنہ بن حفص نے فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس کو وہ طلاق بھیجی جو ابھی باقی تھی۔ (یعنی تیسری یا آخری)۔ (مسلم ایضاً)

ان وجوہ کی بنا پر اس واقعہ سے استدلال قطعاً درست نہیں۔

چوتھی حدیث: رفاعہ قرظی کا قصہ:

رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ سے متعلق مذکور ہے' رفاعہ کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگی کہ رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ دی اور میں نے عبدالرحمان بن زبیر سے نکاح کیا' مگر وہ تو کچھ بھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شاید تم رفاعہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانا چاہتی ہو۔ یہ ناممکن ہے تا آنکہ تم دونوں ایک دوسرے کا مزہ نہ چکھ لو۔'' (بخاری' کتاب الطلاق' باب من اجاز طلاق الثلاث)

جواب: اس حدیث کا لفظ ''بتہ'' سے اکٹھی تین طلاق کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ استدلال بھی مبہم ہے' کیونکہ بتہ اور آخری یا تیسری طلاق سب کا مفہوم ایک ہے۔ تو جس طرح حدیث سابق میں تیسری کا لفظ مبہم تھا' بعینہ یہاں بھی مبہم ہے۔ مزید برآں اس کی تفصیل بخاری ہی میں کتاب الادب میں موجود ہے، جو یہ ہے کہ:

انھا کانت تحت رفاعة فطلقها اخر ثلاث تطلیقات فتزوجھا بعدہ عبدالرحمن بن زبیر.

وہ رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی، رفاعہ نے اسے آخری تیسری طلاق بھی دے دی تو اس کے بعد اس سے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن زبیر نے نکاح کرلیا۔ (بخاری کتاب الادب)

پانچویں حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طلاق دینا:

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دینے سے متعلق ہے۔ مرفوع احادیث میں تو اتنا ہی مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طلاق کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو رجوع کا حکم دیا اور طلاق دینے کا صحیح طریق بتلایا۔ قائلین تطلیق ثلاثہ کا احتجاج اس واقعہ سے متعلق نہیں' بلکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ سے متعلق ہے جو انہوں نے کسی سائل کے جواب میں دیا' اور وہ بخاری میں یوں مذکور ہے:

''اگر تم نے اپنی بیوی کو ایک یا دو بار طلاق دی ہے تو یہ وہ صورت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجعت کا حکم دیا اور اگر تم نے تین طلاقیں دے دیں تو تم پر بیوی حرام ہو گئی' جب تک وہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح نہ کر لے اور تم نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے سلسلہ میں نافرمانی کی۔''

جواب: یہ اثر بھی مبہم ہے کیونکہ ''**طلقھا ثلاثاً**'' سے مراد تین دفعہ کی طلاق ہی ہو سکتی ہے اور اللہ کی نافرمانی کا تعلق حالت حیض میں طلاق دینے سے ہے' کیوں کہ ان کا اپنا واقعہ معصیت حالت حیض میں طلاق دینے سے تعلق رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی مزید وضاحت مصنف ابن ابی شیبہ' دار قطنی اور طبرانی میں جس طرح مرقوم ہے' اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو مرفوع حدیث کا درجہ عطا کر دیا ہے کہ (ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے کہا' ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے رجوع حلال ہوتا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ''نہیں وہ تجھ

سے جدا ہو جاتی اور (تیرا ایک ہی دفعہ تین طلاق دینا) گناہ کا کام ہوتا۔''

یہ اثر اگر صحیح ثابت ہو جاتا تو قطع نزاع کے کام آ سکتا تھا، مگر مشکل یہ ہے کہ یہ اثر انتہائی مجروح ہے۔ کیوں کہ یہ حدیث درج کرنے کے بعد امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا ہے کہ اس ٹکڑے کا راوی شعیب ہے، جس میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ دوسرا راوی رزیق ہے، جو ضعیف ہے، تیسرا عطاء خراسانی ہے، جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ اور ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اسے جھوٹا بتاتے ہیں۔

اب اس اثر کے بالکل برعکس ایک روایت تفسیر قرطبی میں یوں ہے کہ:

''عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوئی۔''

(تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۲۹ بحوالہ مقالات ص ۱۴۴)

چھٹی حدیث: میری موجودگی میں کتاب اللہ سے مذاق؟

یہ نسائی کی وہ حدیث ہے جس کا میں نے اپنی طرف سے اجمالی طور پر مفہوم بیان کیا تھا۔ حدیث کا متن یا اس کا ترجمہ یا حوالہ کچھ بھی درج نہیں کیا گیا تھا۔ اور وہ اجمالی ذکر یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی وجہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا ''میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلا جا رہا ہے؟'' اس کے بعد میں نے لکھا تھا ''تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی طلاق شمار کی'' قاری صاحب موصوف نے تعاقب کرتے ہوئے اس فقرہ کے متعلق فرمایا ہے کہ:

''کیلانی صاحب نے یہ جملہ اپنی طرف سے بڑھایا ہے اس لیے کہ حدیث میں ایسے کوئی الفاظ نہیں، جن سے معلوم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو ایک ہی شمار کیا۔''

(منہاج ص ۳۱۲)

مجھے یہ تسلیم ہے کہ فی الواقع نسائی والی حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ مگر قاری صاحب کا اعتراض اس صورت میں درست ہوتا اگر میں نسائی کی حدیث درج کر کے ترجمہ

میں یہ اضافہ کر دیتا' یا صرف ایسا اضافہ شدہ ترجمہ ہی لکھ کر نسائی کا حوالہ درج کر دیتا۔ جب کہ متنازعہ فقرہ نسائی کی حدیث میں اضافہ نہیں' بلکہ اس کی بنیاد درج ذیل امور ہیں:

(ا) مسلم کی تین احادیث کے مطابق دور نبوی ﷺ میں اکٹھی دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔

(۲) نسائی ہی کی روایت کے مطابق آپ ﷺ اکٹھی تین طلاق دینے پر اس قدر برا فروختہ ہوئے کہ شدت غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ''میری موجودگی ہی میں کتاب اللہ سے یوں کھیلا جا رہا ہے'' آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے اذن چاہتا ہے کہ ''یا رسول اللہ ﷺ! میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟''

ان حالات میں عقل یہ باور نہیں کرتی کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود ان تین طلاقوں کو تین ہی رہنے دیا ہو۔ اس کے برعکس جناب قاری صاحب فرماتے ہیں کہ:

آپ ﷺ نے اس ناراضگی کے باوجود ان تین طلاقوں کو اس پر نافذ کر دیا تھا' چنانچہ محمود بن لبید کی اسی روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ:

فلم یردہ النبی ﷺ بل امضاہ کذافی حدیث عویمر العجلانی فی اللعان حیث امضی طلاقہ الثلاث ولم یردہ۔ (تہذیب سنن ابی داؤد' ص ۱۲۹ ج ۲' بحوالہ عمدۃ الاثاث)	حضور ﷺ نے تین طلاقوں کو رد نہیں کیا بلکہ ان کو نافذ کر دیا۔ اور جیسا کہ عویمر عجلانی کی لعان والی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا اور رد نہیں کیا تھا۔ (منہاج مذکور ص ۳۱۲)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے قاری عبدالحفیظ صاحب کی درج کردہ یہ روایت کئی وجوہ کی بنا پر محل نظر ہے۔ مثلاً:

(ا) آپ نے ''عمدۃ الاثاث'' کا حوالہ مکمل درج نہیں فرمایا کہ اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

(۲) حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ان اساطین میں سے ہیں جو ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک قرار دینے والے گروہ کے علمبردار ہیں۔ ان سے ایسی تحریر کی توقع محال ہے۔

(۳) عویمر رضی اللہ عنہ عجلانی کی تین طلاق کے نفاذ والی روایت بجائے خود ضعیف ہے' جسے بنیاد بنایا جارہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بنائے فاسد علی الفاسد والی بات ہے۔

(۴) تطلیق ثلاثہ کے قائلین اور مخالفین سب اس بات پر متفق ہیں کہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ اوران کی بیوی کی تفریق طلاق کی بنا پر نہیں، بلکہ لعان کی بنا پر ہوئی تھی (اور یہ بحث پہلے گزر چکی ہے) لعان کے بعد جیسے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا تین طلاقیں دینا عبث فعل ہے۔ جس چیز کے نفاذ یا عدم نفاذ کا کچھ اثر ہی نہ ہو سکے' اس سے احتجاج کیسے درست ہوگا؟

(۵) حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے استاد امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایسی تمام روایات کو جن میں ایک مجلس کی تین طلاق کو تین قرار دینے یا ان کے نفاذ کا ذکر ہو' ''باتفاق اہل علم جھوٹی'' قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ پھر اس خاص مسئلہ میں استاد اور شاگرد کا اختلاف بھی کہیں مذکور نہیں۔ اس صورت حال میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ روایت کیونکر درست قرار دی جاسکتی ہے؟

ساتویں حدیث' عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے دادا کا قصہ:

یہ مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت ہے:

''عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے دادا نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں اس کے بعد میرا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تیرا باپ اللہ سے ڈرا نہیں۔ تین طلاقیں اس کا حق تھا' باقی سب کچھ زیادتی ہے۔ اللہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کردے۔''

یہ روایت تین طلاقوں کے واقع ہونے پر نص تو ہے مگر یہ روایت نہ درایۃً درست ہے نہ روایۃً۔ درایۃً اس لیے کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان بارہ سرداروں میں سے ہیں جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ یہ بات بھی معلوم کرنا مشکل ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے' اس وقت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ کے دادا زندہ بھی تھے یا نہیں؟ ان کا اسلام ثابت کرنا تو دور کی بات ہے اور روایۃً اس لیے غلط اور

نا قابل اعتماد ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن العلاء کذاب اور واضع حدیث ہے۔ دوسرا عبیداللہ بن ولید متروک الحدیث ہے۔ تیسرا ابراہیم بن عبیداللہ مجہول ہے۔

(میزان الاعتدال للذہبی)

ایسی ہی روایات کے باوصف ''مصنف عبدالرزاق'' حدیث کی چوتھے درجہ کی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

آٹھویں حدیث' حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تین طلاقیں:

یہ حدیث بیہقی کی ہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا' آپ کو خلافت مبارک ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خوشی کا اظہار کرتی ہو؟ جاؤ تجھے تین طلاق'' جب اس کی عدت پوری ہونے لگی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کو حق مہر کی بقایا رقم اور دس ہزار (مزید) بطور صدقہ بھیجے۔ جب ایلچی یہ کچھ لے کر آیا تو کہنے لگی ''مجھ کو چھوڑنے والے دوست کی طرف سے یہ متاع قلیل ہے'' جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو رو پڑے پھر کہا'' اگر میں نے اپنے دادا سے نہ سنا ہوتا، یا میرے باپ نے میرے دادا سے نہ سنا ہوتا کہ وہ کہتے تھے جو شخص بھی اپنی عورت کو طہروں میں تین طلاقیں دے یا غیر واضح طلاقیں دے تو وہ عورت خاوند پر حلال نہیں' تا آنکہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے' تو میں اس عورت سے ضرور رجوع کر لیتا۔'' (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۳۶)

یہ روایت بھی روایۃً اور درایۃً دونوں طرح سے نا قابل اعتماد ہے۔ روایۃً یوں کہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کا ایک راوی محمد بن حمید الرازی ہے جس کو ابوزرعہ نے کذاب اور ابو حاتم نے منکر الحدیث کہا ہے (اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۳۱۷' ۳۱۹ بحوالہ مقالات ص ۲۱۴) اور درایۃً اس لیے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دادا ابو طالب تھے، جو مکی دور میں ہی بحالت کفر انتقال کر گئے تھے۔ جب کہ نکاح وطلاق کے احکام مدنی دور میں نازل ہوئے تھے گویا درایۃً بھی اس روایت میں دو خامیاں ہیں۔

نویں حدیث:

یہ حدیث دار قطنی کی ہے جو اس طرح ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا ''تم اللہ تعالیٰ کی آیات کو کھیل اور مذاق بناتے ہو؟ جو شخص بھی طلاق دے گا۔ ''ہم اس پر تین لازم کر دیں گے'' اور اس کی عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی، جب تک وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔'' (دار قطنی)

اس حدیث کے بارے میں خود امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن ابی امیہ قرشی ضعیف اور متروک الحدیث ہے اور یہ حدیثیں بھی گھڑتا ہے۔

دوسرے راوی عثمان بن قطر کے متعلق ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ایک تیسرے راوی عبدالغفور کے متعلق علامہ محمد طاہر نے کہا ہے کہ وہ حدیثیں گھڑتا ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''**فی اسنادہ ضعفاء و مجاھیل**'' یعنی ''اس کی سند میں کئی ضعیف اور مجہول راوی ہیں۔''

(مقالات ص ۱۵۵)

سو یہ تھیں وہ احادیث جن سے ایک مجلس کی تین طلاق کے تین ہی واقع ہونے کو ثابت کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتوے:

میں نے اپنے مضمون ''خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی شرعی تبدیلیاں'' میں لکھا تھا کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری فیصلہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نہ ہو سکا اور بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہم آپ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے خلاف تھے۔''

اس کے جواب میں قاری صاحب نے تین صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ'

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایسے فتوے پیش کر دیئے جو تین طلاقوں کے تین ہی واقع ہونے پر دلالت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ کے متعلق شاید انہیں اپنے حق میں لکھنے کو کچھ مواد نہیں مل سکا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق قاری صاحب نے لکھا ہے کہ آپ سے دونوں قسم کی احادیث مروی ہیں۔ پھر اس سلسلہ میں صحیح مسلم کی وہ حدیث درج فرمائی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری فیصلہ کے نفاذ کا ذکر ہے۔

ہم پہلے پیر کرم شاہ صاحب از ہری کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ نافذ کر دیا تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دین اور مسلمانوں کا نگہبان سمجھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تعزیر مسلمانوں پر اس لیے عائد کی ہے کہ اس فعل حرام سے باز آ جائیں' لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمنوائی میں بسا اوقات اختلاف رکھنے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق فتوے دے دیا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حمایت میں فتوے:

اس کی مثال یہ سمجھئے کہ عندالضرورت' جنابت سے تیمم کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یاد بھی دلایا کرتے تھے کہ ''اے امیر المومنین! آپ کو یاد نہیں' جب میں اور آپ لشکر کے ایک ٹکڑے میں تھے۔ پھر ہم کو جنابت ہوئی اور پانی نہ ملا۔ آپ نے نماز نہ پڑھی لیکن میں مٹی میں لوٹا اور نماز پڑھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا'' تجھے کافی تھا کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارتا' پھر ان کو پھونکتا پھر مسح کرتا دونوں پہنچوں پر'' اپنے حافظہ پر اتنے وثوق کے باوجود جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں کرتے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف محض مصلحت کی بنا پر تھا کہ لوگ اس حقیقت سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیں گے) تو انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

یا امیر المومنین ان شئت لما جعل اللہ علی من حقک لا احدث بہ احدا ۔(مسلم کتاب الحیض' باب التیمم)	اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کا جو حق مجھ پر رکھا ہے(یعنی آپ خلیفہ ہیں اور میں رعیت ہوں) اگر آپ چاہیں تو میں یہ حدیث کسی سے بیان نہ کروں گا۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی سیاسی مصلحت کی خاطر حج تمتع سے بھی منع فرمایا کرتے تھے' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو حج تمتع کی ترغیب دی تھی۔اس مسئلہ میں بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقصد کا لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ:

''ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حج تمتع کا فتویٰ دیتے تھے' تو ایک شخص نے کہا:
آپ اپنے بعض فتوے روک رکھیں' کیا آپ کو معلوم نہیں کہ امیر المومنین نے حج کے سلسلہ میں جونئی بات نکالی ہے۔'' (مسلم' کتاب الحج' باب جواز تعلیق الحرام)

ان واقعات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اصل حقیقت معلوم ہونے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسا اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عائد کردہ حدود و قیود کے مطابق فتوے دیا کرتے تھے۔ یا کم از کم اس کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔تطلیقات ثلاثہ کا مسئلہ بھی انہی میں سے ایک ہے اس مسئلہ میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق فتوے دینا شروع کر دیئے تھے ان کے نام یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' انس بن مالک رضی اللہ عنہ' عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ۔

اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ہی فتوے دیتے رہے' ان کے نام یہ ہیں' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ' ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔
(دیکھئے اعلام الموقعین ص ۸۰۳)

اور مندرجہ ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم سے دونوں قسم کے فتوے منقول ہیں:
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

(حوالہ ایضاً)

جب یہ حضرات' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے موافق فتوے دیتے تو ان کے ایسے فتووں کی خاص علامت یہ ہوتی ہے کہ ایسے فتاویٰ سے زجر و توبیخ اور تعزیر از خود مترشح ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتوے:

مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو لیجئے' صحیح مسلم میں مذکور حدیث کہ ''دور فاروقی کے پہلے دو سالوں تک ایک مجلس تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا'' کے راوی آپ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ پھر دو مزید احادیث جن میں اسی مضمون پر ابوالصہباء کے سوال کا جواب دیتے ہیں' صحیح مسلم ہی میں موجود ہیں۔ ابوداؤد میں بھی آپ رضی اللہ عنہ سے اسی مضمون پر مشتمل ایک روایت موجود ہے۔ علاوہ ازیں ابوداؤد میں آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ بھی موجود ہے:

اِذَا قَالَ اَنتِ طَالِقٌ ثَلَاثاً بِفَمٍ واحد فھی واحدۃٌ۔ (ابوداؤد' کتاب الطلاق)	جب کسی نے (اپنی بیوی سے) ایک ہی وقت میں تین طلاق کہا، تو یہ ایک ہی ہوگی۔

اور ایک صحیح روایت میں حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ:

واللهِ مَا كَانَ ابْن عباس يجعلها اِلَّا بواحدة. (عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۲، ص ۲۳۷)	اللہ کی قسم! ابن عباس رضی اللہ عنہ اسے (تطلیق ثلاثہ کو) ایک ہی طلاق شمار کرتے تھے۔

اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہ تعزیری فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیے جو قاری صاحب نے درج فرمایا ہے۔ (ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کریں گے)

''حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی آ کر کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ میں نے گمان کیا، شاید ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی بیوی کو واپس لوٹا دیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تم میں ایک شخص حماقت کر بیٹھتا ہے' پھر کہتا ہے اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے' اللہ تعالیٰ ضرور اس کیلئے آسانی کی راہ نکالتا ہے اور بلاشبہ تو اللہ تعالیٰ سے نہیں

ڈرا میں تیرے لیے اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا ہوں۔ تو نے اللہ کی نافرمانی کی ہے تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی۔'' (ابوداؤد ص۲۹۹ بحوالہ منہاج ص۳۱۰)

مندرجہ ذیل فتویٰ سے دو باتیں معلوم ہوئی:

(۱) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ راوی جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طبیعت سے خوب واقف تھے، انہیں طلاق دینے والے کی بات سننے کے بعد بھی یہی گمان ہوا تھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایسی طلاقوں کو ایک طلاق شمار کر کے اس کی بیوی کو واپس لوٹا دیں گے۔ گویا سنجیدہ صورت حال میں آپ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہی ہوتا تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاق حقیقتاً ایک ہی ہوتی ہے۔

(۲) فتویٰ کے الفاظ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ فتویٰ سائل کو اس کی حماقت کی سزا کے طور پر دیا جا رہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

قاری صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو فتویٰ درج فرمایا وہ یوں ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی نے آ کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تین طلاقوں نے تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیا ہے باقی ۹۹۷ طلاقیں اپنی دوسری بیویوں میں تقسیم کر دے۔''

(منہاج ص۳۱۰ بحوالہ بیہقی ج ۷ ص ۳۳۵ طبع بیروت)

قطع نظر اس بات کے کہ ایسی روایات کی اسنادی حیثیت انتہائی کمزور ہوتی ہے (کیوں کہ یہ تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب سے لی گئی ہیں) اگر اس واقعہ کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سائل انتہائی جاہل اور بے ہودہ انسان تھا۔ جاہل اس لیے کہ اسے اتنا علم نہ تھا کہ طلاقیں زیادہ سے زیادہ تین ہی ہیں اور بے ہودہ اس لیے کہ اپنی اس جہالت اور حماقت کو اپنے تک محدود نہ رکھا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی جا بتایا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ بھی ''جیسی روح ویسے فرشتے'' کے مصداق ہے۔ ذرا سوچیے کہ واقعی سائل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق ۹۹۷ طلاقیں اپنی دوسری

بیویوں میں تقسیم کر دی ہوں گی؟ فرض کیجئے کہ اس کی چار بیویاں تھیں۔ ان ۹۹۷ میں سے ۹ طلاقیں تو بقایا تین بیویوں کے لیے ہوئیں' اس طرح وہ بھی اس سے جدا ہوئیں۔ پھر بھی ۹۸۸ طلاقیں بچ رہیں ہیں' جو کسی کام نہ آسکیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

اب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ فتویٰ' جو قاری صاحب موصوف نے درج فرمایا ہے' ملاحظہ فرمائیے:

''ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دے دی ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا ''تجھے علماء نے کیا کہا ہے؟'' کہنے لگا، وہ کہتے ہیں کہ ''وہ مجھ سے جدا ہوئی'' آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ''لوگوں نے سچ کہا۔'' (منہاج ص ۱۳۱ص ۷۵ھ طبع بیروت)

اب دیکھیے کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دیں' اور ظاہر ہے کہ دین سے یہ مذاق ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے یہ تعزیر بہت کم ہے کہ صرف ان کی بیوی ان سے جدا کر دی جائے۔ ایسے لوگوں کو تو بدنی سزا بھی ضروری دینا چاہیے' جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو مارا بھی کرتے تھے۔

اسی طرح ایک اور صاحب اپنی بیوی کو دو سو طلاقیں دے کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس فتویٰ پوچھنے تشریف لائے تھے۔ انہیں بھی آپ رضی اللہ عنہ نے یہی جواب دیا تھا۔ (موطا امام مالک' کتاب الطلاق)

تطلیقات ثلاثہ پر اجماع کا دعویٰ:

قاری صاحب فرماتے ہیں:

''ایک آیت اور دو حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی رہی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی! اور اس کے بعد اس پر اجماع ہو گیا ور اس میں کسی کا اختلاف نہیں رہا، سوائے چند حضرات کے جن

میں شیعہ حضرات بھی شامل ہیں۔ فقہ جعفریہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی ہیں۔ صاحب جواہر نے کہا ہے یہ مسئلہ اجماعی اور ضروریات شیعہ میں سے ہے۔ ''صحیح زرارہ'' میں یہ روایت ہے کہ امام جعفر صادق سے اس مرد کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس نے حالت طہر میں ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو آپ نے فرمایا ''طلاق ایک ہی واقع ہو گی۔'' (منہاج، ص ۳۰۶، ۳۰۷ ملخصاً)

اب دیکھیے قاری صاحب نے ایک آیت اور دو حدیثوں سے اس مسئلہ کو جس قدر ثابت فرمایا اس کی وضاحت ہم پیش کر چکے ہیں۔ باقی اقتباس میں بھی آپ کئی خلاف واقعہ باتیں ارشاد فرما گئے۔ مثلاً آپ فرمارہے ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی تھیں، اور اس کے بعد اس پر اجماع ہو گیا۔''

اب سوال یہ ہے کہ اجماع کی بات تو تب ہی فٹ بیٹھتی ہے، جب پہلے اختلاف کی بات چل رہی ہو۔ ہمارے قاری صاحب محترم اختلاف کی بات تو کرتے نہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمارہے ہیں کہ ''اس کے بعد اس پر اجماع ہو گیا'' کیا یہ اجماع ایک ایسی بات پر ہوا تھا، جو پہلے سے ہی مسلّم چلی آرہی تھی؟

پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر دور نبوی ﷺ سے ہی تین طلاقوں کا تین ہی واقع ہونا مسلّم چلا آرہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا فرمان نافذ کیا تھا؟

اجماع یا اختلاف؟

حقیقت میں یہ بات یوں ہے کہ دور نبوی ﷺ سے لے کر دور فاروقی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو تین سالوں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرویات کے مصداق پوری امت کا اس بات پر اجماع تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی نافذ کر دیا، تو امت میں اختلاف واقع ہو گیا (جس کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے) لیکن قاری صاحب نے بالکل الٹی گنگا بہانا شروع

کر دی ہے۔

اجماع کے معنی:

پھر فرماتے ہیں:

''اس کے بعد اس پر اجماع ہو گیا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں رہا، سوائے چند حضرات کے جن میں شیعہ حضرات بھی شامل ہیں۔''

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاری صاحب یا تو اجماع کے معنی نہیں سمجھتے یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ ورنہ ایک ہی فقرہ میں متضاد باتیں نہ لکھ جاتے۔ اجماع کا معنی یہ ہے کہ اگر کل آدمی دس ہیں اور وہ سب کے سب ایک بات پر متفق ہو جاتے ہیں تو یہ اجماع ہے اور اگر دس آدمیوں میں سے ایک نے بھی اختلاف رائے کیا تو یہ اجماع نہ رہا۔ باقی نو آدمیوں کو جمہور یا اکثریت کی بات تو کہا جا سکتا ہے' اجماع نہیں کہا جا سکتا اور حجت شرعیہ اگر ہے تو اجماع ہے نہ کہ جمہور۔ اب قاری صاحب کا کمال یہ ہے کہ ایک طرف تو فرما رہے ہیں کہ ''اس پر اجماع ہو گیا'' ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ ''ماسوائے چند حضرات کے جن میں شیعہ حضرات بھی شامل ہیں'' گویا قاری صاحب کے ''چند حضرات'' بھی اتنے زیادہ ہیں کہ ان میں سارے شیعہ، سارے اہل حدیث اور سارے ظاہری سما جاتے ہیں، پھر بھی وہ ''چند'' ہی رہتے ہیں۔ اب اتنے زیادہ ''چند'' کے باوجود باقی اصحاب پر قاری صاحب ''اجماع'' کا اطلاق فرمائیں تو یہ ان کا ہی کمال سمجھنا چاہئے۔

پھر طرفہ تماشا یہ کہ ادھر قاری صاحب اجماع کا دعویٰ فرما رہے ہیں' ادھر ان کے بقول صاحب جواہر یہ بھی فرما رہے ہیں کہ ''یہ مسئلہ اجماعی اور ضروریات شیعہ میں سے ہے'' (منہاج مذکور ۳۰۷) جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ ان میں سے کسی کا بھی ''دعوائے اجماع'' حقیقت پر مبنی نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ:

آگے چل کر قاری صاحب نے فرمایا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا کیا تھا کہ عام طور پر لوگ جب اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتے تو حاکم یا قاضی کے سامنے آ کر کہتے کہ میں نے تو تین طلاق کی نیت نہیں کی تھی، بلکہ آخری الفاظ تاکید کے لیے استعمال کئے تھے۔ اور حیلہ کر کے اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ ہم فیصلہ نیت پر نہیں کریں گے۔ بلکہ ظاہر الفاظ پر کریں گے۔ جس نے مجلس واحد میں تین طلاقیں دیں تو ہم وہ تین ہی شمار کریں گے۔"

(ایضاً ص ۳۰۷)

اب دیکھیے قاری صاحب پہلے یہ فرما چکے ہیں کہ دور نبوی اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی تھیں۔ یہ کام تو پہلے ہی ہو رہا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کارنامہ سرانجام دیا اور کیا قانون نافذ فرمایا تھا؟ قاری صاحب کے ان دونوں بیانوں میں مطابقت کی صورت تو یہی ہوسکتی ہے کہ درمیان میں حاکم یا قاضی کا رابطہ جب قائم ہوا تو وہ لوگوں کی حیلہ بازی پر اعتماد کرتے ہوئے دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلہ کے علی الرغم ان کی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کرنے کی چھوٹ دے دیا کرتے تھے اور جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنے کا قانون نافذ کیا تھا تو یہ عوام کی اصلاح کے لیے نہیں' بلکہ ایسے ترس کھانے والے حاکم یا قاضیوں کی تنبیہ کے لیے بنایا گیا جو لوگوں کی نیت پر یا حیلہ بازی پر اعتماد کر کے تین طلاق کو ایک بنا دیا کرتے تھے۔ جو کچھ بھی تھا، یہ بات بہرحال قاری صاحب نے تسلیم فرمالی کہ لوگ تو تین طلاق ہی دیا کرتے تھے' مگر حاکم یا قاضی ان کو ایک بنا دیا کرتے تھے۔

اب اگر ہم یہی بات کہیں جو قاری صاحب نے تسلیم فرمائی ہے تو قاری صاحب برا منا جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نہیں ایسا کب ہوتا تھا، وہ تو دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار کرتے تھے۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ

آخر میں آپ نے وہی بات کہہ دی جو ہم کہتے ہیں صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے!

تطلیق ثلاثہ سے متعلق چار گروہ:

تطلیق ثلاثہ پر اجماع کی حقیقت کا اندازہ تو صرف اس ایک بات سے ہی ہو جاتا ہے کہ تطلیق ثلاثہ کے وقوع کے بارے میں مندرجہ ذیل چار قسم کے گروہ پائے جاتے ہیں:

(۱) پہلا گروہ وہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو وقتی اور تعزیری سمجھتا ہے اور سنت نبوی کو ہر زمانہ کے لیے معمول جانتا ہے۔ اس کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار ہوتی ہے۔ اس گروہ میں ظاہری' اہل حدیث اور شیعہ شامل ہیں۔ نیز ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے مقلدین میں سے بعض وسیع الظرف علماء بھی اس گروہ میں شامل ہیں اور بعض ''اشد ضرورت کے تحت'' اس کے قائل ہیں۔

(۲) دوسرا گروہ وہ مقلد حضرات کا ہے۔ یہ گروہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو تعزیری یا وقتی تسلیم نہیں کرتا' بلکہ اسے مشروع اور دائمی سمجھتا ہے۔ اس گروہ میں اکثریت مقلدین کی ہے، پھر مقلدین میں سے بھی کچھ بالغ نظر علماء اس مسلک سے اختلاف رکھتے ہیں۔

(۳) تیسرا گروہ وہ ہے جو دوسری انتہا کو چلا گیا ہے۔ ان کے نزدیک ایک مجلس میں ایک طلاق تو جائز ہے' لیکن اگر دو یا تین یا زیادہ دی جائیں تو ایک بھی واقع نہیں ہوتی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ طلاق دینا کار معصیت اور خلاف سنت یعنی بدعت ہے جس کے متعلق ارشاد ہے کہ:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.	جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات پیدا کی' جو اس میں نہ تھی' تو وہ بات مردود ہے۔

تو اس لحاظ سے ایسی بدعی طلاقیں سب مردود ہیں' لغو ہیں' باطل ہیں۔ لہٰذا ایک طلاق بھی نہ ہوگی۔ اس گروہ میں شیعہ حضرات میں سے کچھ لوگ شامل ہیں۔ حجاج بن ارطاۃ اور

محمد بن مقاتل (حنفی) بھی اس کے قائل ہیں۔ (شرح مسلم للنوویؒ ج۱ ص۴۷۸)

(۴) ایک قلیل تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو ایک مجلس کے تین طلاق کو غیر مدخولہ کے لیے ایک ہی شمار کرتے ہیں اور مدخولہ کے لیے تین۔ (زادالمعاد ج۴ ص۶۷)

غور فرمائیے کہ جس مسلک میں اس قدر اختلاف ہو کہ اس کے بارے میں چار گروہ پائے جاتے ہوں، اسے ''اجماعی'' کہا جا سکتا ہے؟

OOO

تطلیق ثلاثہ میں اختلاف کرنے والے اور اختلاف کو تسلیم کرنے والے علماء

جو حضرات ایک مجلس کی تین طلاق کے تین واقع ہونے کے قائل ہیں' ان کا سب سے بڑا سہارا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے بعد پوری امت کا اس فیصلہ پر اجماع ہو گیا تھا۔ اس اجماع پر مجملاً تبصرہ تو پہلے گزر چکا ہے' اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ اور ترتیب زمانی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس دعویٰ کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ نیز بتانا چاہتے ہیں کہ درج ذیل اصحاب نے اس فیصلہ سے اختلاف کیا' یا کم از کم اختلاف کو تسلیم کر کے بالفاظ دیگر اجماع کا انکار کر دیا۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

اس ضمن میں پہلا نام تو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا آتا ہے۔ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ طلاق بتہ کو ایک ہی طلاق قرار دیتے تھے۔

(موطا کتاب الطلاق باب ماجاء فی البتہ)

طلاق بتہ کیا ہوتی ہے؟ اگرچہ اس کی مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں' تاہم ان سب سے بہتر تعریف وہ ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی کہ:

"اگر طلاق ایک ہزار تک درست ہوتی تو بتہ اس میں سے کچھ باقی نہ رکھتا۔ جس نے بتہ کہا تو وہ انتہا کو پہنچ گیا۔" (موطا ایضا)

اب چونکہ طلاقیں تین ہی ہیں' لہٰذا بتہ (لفظی معنیٰ "کاٹنے والی" زوجیت کے معاملات کو قطع کر دینے والی) کا وہی معنی ہوا جو طلاق مغلظہ کا ہے۔ طلاق بتہ یا تو تیسری طلاق ہو گی! ایک مجلس کی ایسی تین طلاقیں جنہیں تین ہی شمار کیا گیا ہو۔ تیسری طلاق کے

بتہ یا مغلظ ہونے میں تو کسی کو شک ہو ہی نہیں سکتا، رہا ایک مجلس کی تین طلاق کا مسئلہ تو اگر اختلاف ہے تو صرف اسی میں ہے۔ مؤطا کی پوری عبارت یوں ہے کہ:

''طلاق بتہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک ہی طلاق پڑے گی' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک تین پڑیں گی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے' سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اہل کوفہ کے نزدیک جو نیت ہو گی وہی واقع ہو گی' مگر بائن پڑے گی۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رجعی ہو گی' مروان بن الحکم حاکم مدینہ طلاق بتہ میں تین طلاق کا حکم کرتے تھے۔'' (مؤطا ایضاً)

مؤطا امام مالک کی اس روایت سے واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہی واقع ہونے کے قائل تھے۔ اور جو قانون آپ رضی اللہ عنہ نے نافذ کیا' وہ غیر محتاط لوگوں کو سزا کے طور پر نافذ کیا تھا۔

(۲) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۶ھ):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ' اپنی صحیح میں ایک باب کا عنوان تجویز فرماتے ہیں ''باب من اجاز طلاق الثلاث''۔

اس عنوان سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک صراحتاً دوسرے کنایتاً' صراحتاً یہ کہ امام بخاری کے نزدیک یہ مسئلہ اجماعی نہیں' بلکہ اختلافی ہے۔ اور کنایۃً یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا رخ بھی مزعومہ اجماع کی طرف نہیں ہے، ورنہ وہ ایسا عنوان تجویز ہی نہ فرماتے۔ اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صرف دو واقعات پر مشتمل تین احادیث لائے ہیں۔ ایک واقعہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے اور دوسرا رفاعہ قرظی سے متعلق۔ گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی تین احادیث ایسی ہیں' جن سے قائلین تطلیق ثلاثہ استدلال فرما سکتے ہیں اور ان پر ہم پہلے بھرپور تبصرہ کر چکے ہیں۔

(۳) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور ممتاز حنفی عالم اپنی تالیف ''معانی الآثار'' ج ۲ ص ۲۲ پر فرماتے ہیں کہ:

فذهب قوم الی ان الرجل اذا طلق امراته ثلثاً معا وقعت علیها واحدة. (بحوالہ مقالات ص ۲۱)

ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اگر آدمی اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے تو ایک ہی واقع ہوتی ہے۔

گویا آپ کے نزدیک اختلاف کرنے والے چند حضرات نہیں' بلکہ ایک قوم ہے۔ لہٰذا اجماع کا دعویٰ غلط ہے۔

(۴) امام فخر الدین رازی شافعی اشعری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۰۶ ھ):

آپ اپنی تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۴۸ پر فرماتے ہیں:

هذا اختیار کثیر من علماء الدین ان لو طلقها اثنین اوثلاثا لا یقع الا واحدة وهذا القول اقرب الی القیاس لان النهی عن الشی یدل علی اشتمال المنهی عنه علی مفسدة راجحة والقول بالوقوع فی ادخال تلک المفسدة فی الوجود وانه غیر جائز فوجب ان یحکم بعدم الوقوع۔

(بحوالہ مقالات ص ۲۵)

یعنی بہت سے علمائے دین کا پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ جو شخص بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیتا ہے تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ اور یہی قول قیاس کے سب سے زیادہ موافق ہے۔ کیونکہ کسی چیز سے منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑے مفسدہ اور خرابی پر مشتمل ہے اور وقوع طلاق کا قائل ہونا اس مفسدہ اور خرابی کو وجود میں لانے کا سبب ہے...... اور یہ بات جائز نہیں، لہٰذا عدم وقوع کا حکم لگانا واجب ہے۔

(۵) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۸ ھ):

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص ایک طہر میں ایک کلمہ میں یا تین کلموں میں طلاق دے تو جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے' لیکن ان کے واقع ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تین

واقع ہوں گی اور ایک یہ ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ اور یہی بات زیادہ صحیح ہے جس پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں۔'' (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۷۸ بحوالہ مقالات ص ۶۶)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''سلف اور خلف میں مالک رحمۃ اللہ علیہ' احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ایسے حضرات تھے جو تطلیق ثلاثہ کو یا تو لغو قرار دیتے تھے، یا پھر اس سے ایک طلاق رجعی واقع کرتے تھے اور یہی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔''

(فتاوی امام ابن تیمیہؒ ج ۴ ص ۱۵۱ بحوالہ مقالات ص ۸۱)

(۶) امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ''اعلام الموقعین'' میں تطلیق ثلاثہ کو ایک قرار دینے والوں کی جو فہرست دی ہے وہ اس طرح ہے:

(۱) صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف' زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دونوں طرح کے فتوے منقول ہیں۔

(۳) بعد کے ادوار میں حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ' طاؤس رحمۃ اللہ علیہ' محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ' خلاص بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ' حارث عکلی رحمۃ اللہ علیہ' داؤد بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اکثر ساتھی' بعض مالکی' بعض حنفی۔ جیسا کہ ابوبکر رازی اسے محمد بن مقاتل سے روایت کرتے ہیں۔ بعض حنبلی' شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور ان کے دادا عبدالسلام حرانی رحمہم اللہ!

(اعلام الموقعین اردو ص ۷۹۹ اور ۸۰۳)

اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں۔ ایک تو وہی جو مشہور ہے، دوسری یہ کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک رجعی ہوتی ہے۔ جیسا کہ محمد بن مقاتل رازی رحمۃ اللہ علیہ نے

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ (اغاثۃ اللہفان ص ۱۵۷ مطبوعہ مصر بحوالہ مقالات ص ۱۱۲)

(۷) امام ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ (م ۸۵۲ھ):

آپ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۹ کے ص ۲۹ پر تطلیق ثلاثہ کو ایک طلاق قرار دینے والوں کی جو فہرست دی ہے وہ درج ذیل ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی بات منقول ہے۔ اسے ابن مغیث نے کتاب الوثائق میں نقل کیا ہے اور غنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسلک کو قرطبہ کے مشائخ کے ایک گروہ مثلاً محمد بن تقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن عبدالسلام خشنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اصحاب مثلاً عطاء رحمۃ اللہ علیہ، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اور عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔''

(بحوالہ مقالات ص ۱۵۷)

(۸) علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۵ھ):

آپ بھی شارح بخاری ہیں۔ اس شرح کا نام عمدۃ القاری ہے۔ مسلکاً حنفی ہیں۔ آپ عمدۃ القاری ج ۹ ص ۵۳۷ پر فرماتے ہیں:

''طاؤس رحمۃ اللہ علیہ، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، حجاج بن ارطاۃ رحمۃ اللہ علیہ، نخعی رحمۃ اللہ علیہ، ابن مقاتل اور ظاہریہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر شوہر بیوی کو تین طلاق دے دے تو ایک واقع ہوگی۔''

(بحوالہ مقالات ص ۲۰)

مندرجہ بالا اصحاب رضی اللہ عنہ میں سے طاؤس رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مایہ ناز شاگرد ہیں اور زبردست فقیہ تھے۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور امام المغازی رحمۃ اللہ علیہ، اور حجاج بن ارطاۃ رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے مشہور فقیہ تھے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور محمد بن مقاتل رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید ہیں۔ (حوالہ ایضاً)

(۹) امام طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ:

مشہور حنفی امام اپنی تصنیف ''درمختار'' ج ۲ ص ۱۰۵ کے حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ:

اِنَّـہَ کَـان فـی الصّدر الاول اذا ارسـل الثلاث جملة لم یحکم الا بَـوقـوع واحِـدَ ة الـی زمن عُـمـر رضـی اللہ عـنـہ ثـم حکم بوقوع الثلاث سیاسة لکثرته بین الناس.

(مقالات ص۲۴)

صدر اول میں جب کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دیتا تو اس کے ایک ہونے کا فیصلہ دیا جاتا تھا، تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آ گیا۔ لوگ چونکہ کثرت سے اکٹھی تین طلاق دینے لگے تھے' لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے سیاسی طور پر تینوں کے تین ہی واقع ہونے کا فیصلہ کر دیا۔

(۱۰) امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۵ھ):

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''نیل الاوطار'' میں فرماتے ہیں کہ:

''اہل علم کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ طلاق طلاق کے پیچھے واقع نہیں ہوتی' بلکہ صرف ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے'' صاحب ''بحر'' نے اس کو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا' اور ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے۔ طاؤس' عطاء' صابر بن یزید ہادی' قاسم ناصر احمد بن عیسیٰ عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ اور ایک روایت زید بن علی سے نقل کی ہے۔ اسی طرف متاخرین کی ایک جماعت گئی ہے' جس میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ' علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے۔ ابن مغیث نے اپنی کتاب الوثائق میں محمد بن وضاح سے نقل کیا اور مشائخ قرطبہ کی ایک جماعت جیسے محمد بن مقاتل و محمد بن عبدالسلام وغیرہ نے ایسا ہی فتویٰ نقل کیا ہے اور ابن المنذر نے اس کو اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہ یعنی عطاء رحمۃ اللہ علیہ' طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اور عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے' نیز ابن مغیث نے اسی کتاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ' ابن مسعود رضی اللہ عنہ' عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور امامیہ سے بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ اکٹھی تین طلاق سے کچھ بھی واقع نہیں ہوتا نہ ایک طلاق اور نہ زیادہ (یعنی تین) بعض تابعین نے بھی ایسا کہا ہے۔ ابن عطیہ اور ہشام بن حکم سے روایت ہے کہ ابوعبیدہ اور بعض اہل ظاہر نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ یہ طلاق بدعی ہے' اور بدعی طلاق خواہ ''تین طلاق'' یا ''طلاق طلاق

طلاق'' کہا جائے' واقع نہیں ہوتی۔ باقر رحمۃ اللہ علیہ' صادق رحمۃ اللہ علیہ اور جعفر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور اصحاب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک جماعت اسطرف گئی ہے کہ اگر عورت مدخولہ ہے تو تین اور اگر غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق پڑے گی۔''

(نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۶)

(۱۱) عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (فرنگی محلی م ۱۳۰۲ھ):

ہندوستان کے مایہ ناز حنفی عالم' آپ اپنی تصنیف عمدۃ الرعایہ ج ۴ ص ۷۱ پر فرماتے ہیں:

''اور دوسرا قول یہ ہے کہ شوہر اگر تین طلاق دے دے' تب بھی ایک ہی پڑے گی۔ اور یہ وہ قول ہے جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ داؤد ظاہری اور ان کے متبعین اس کے قائل ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔'' (بحوالہ مقالات ص ۲۲، ۳۷)

(۱۲) نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۷ھ):

اپنی تصنیف ''الروضۃ الندیہ'' ص ۱۴۲ پر فرماتے ہیں:

وهذا مذهب ابن عباس و ابن اسحاق و عطاء و عكرمة و اكثر اهل البيت وهذا اصح الاقوال.	اور یہ مذہب (یعنی تطلیق ثلاثہ کو ایک قرار دینا) ابن عباس رضی اللہ عنہ' ابن اسحاق رضی اللہ عنہ' عطاء عکرمہ اور اکثر اہل بیت کا ہے اور تمام اقوال میں یہی سب سے زیادہ صحیح ہے۔

(ایک مجلس کی تین طلاق ص ۶)

(۱۳) شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۲ھ):

مشہور حنفی محقق اور مورخ۔ آپ نے اپنی تصنیف ''الفاروق'' میں تطلیقات ثلاثہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولیات میں شمار کر کے یہ واضح کر دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے پہلے سہ طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

''لیکن بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اختلاف کیا اور وہی حق پر ہیں۔ مثلاً تیمّم جنابت' منع تمتع' طلقات ثلاث وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔'' (الفاروق ص ۳۵۱)

شبلی نعمانی کے اس اقتباس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ یہ مسئلہ اجماعی نہیں بلکہ اختلافی ہے۔ دوسرا یہ کہ اختلاف کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف زیادہ صحیح ہے اور وہی حق پر ہیں۔

ان اقتباسات کی روشنی میں اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ قاری عبدالحفیظ صاحب اس مسئلہ کو اجماعی کہنے میں کہاں تک حق بجانب ہیں؟

فیصلہ فاروقی سے اختلاف رکھنے والوں کا اجمالی ذکر:

اب ہم مندرجہ بالا اقتباسات کا خلاصہ ایک نئے انداز سے پیش کریں گے:

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ' حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فیصلہ فاروقی سے اختلاف رکھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دونوں طرح کے فتوے منقول ہیں۔

(اعلام الموقعین ص ۸۰۳)

(۲) تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں سے:

''عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ (دونوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور نامور فقیہ) محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ (امام المغازی) حجاج بن ارطاۃ رحمۃ اللہ علیہ (کوفہ کے نامور فقیہ) ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد) محمد بن مقاتل رحمۃ اللہ علیہ (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگرد) جابر بن زید رحمۃ اللہ علیہ' عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید) عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ' احمد بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ' عبداللہ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

فلاس اور اہل بیت' زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ' داؤد بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اکثر ساتھی' قاسم رحمۃ اللہ علیہ' ناصر رحمۃ اللہ علیہ' امام باقر رحمۃ اللہ علیہ' اور جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں مذکور ہیں۔ایک تو وہی جو مشہور ہے۔ دوسری یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی رجعی ہوتی ہے۔

(اغاثۃ اللہفان ص ۱۵۷ طبع مصر بحوالہ مقالات علمیہ ص ۱۱۲)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

بعض مالکی اور بعض حنفی بھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کرتے ہیں۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا بھی ایک قول یہی ہے، مازری نے اپنی کتاب میں امام محمد بن مقاتل (حنفی) سے یہ راویت نقل کی ہے۔(مقالات ص ۹۱)

متاخرین میں سے:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی آپ کے دادا احمد بن عبدالسلام حرانی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ' نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ' علامہ رشید رضا مصنف تفسیر ''المنار'' ج۹ص۱۸۳ (بحوالہ مقالات علمیہ) علامہ شیخ محمد شتوت۔جامعہ ازہر مصر (الفتاوی ص ۳۰۶)

موجودہ دور کے علمائے احناف:

شبلی نعمانی' جنہوں نے ''الفاروق'' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے اختلاف رکھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔(تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب قاسمی فاضل دیوبند' مولانا شمس صاحب (سیکرٹری جماعت

اسلامی ملتان شہر) مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی (مدیر ماہنامہ ''برہان'' دہلی) سید حامد علی صاحب (سیکرٹری جماعت اسلامی ہند) مفتی عتیق الرحمٰن صاحب (صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت) شرکائے سیمینار بمقام احمد آباد مطابق نومبر ۱۹۷۳ء بموضوع ''ایک مجلس کی تین طلاق''۔ ان سب حضرات نے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی سفارش کی اور نہایت بالغ نظری سے اس موضوع پر مقالات لکھے اور پڑھے۔ یہ مقالات ''مجموعہ مقالات علمیہ۔ ایک مجلس کی تین طلاق'' کے نام سے نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور نے شائع کیے۔ پیر کرم شاہ صاحب الازہری کا مقالہ بعنوان ''دعوت'' فکر و نظر میں انہی مقالات کے آخر میں شائع کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالحلیم صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ جامعہ حنفیہ قاسمیہ لاہور و صدر علمائے احناف پاکستان۔ آپ علی الاطلاق ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہی واقع ہونے کے قائل ہیں۔ ''ایک مجلس کی تین طلاق۔ علمائے احناف کی نظر میں۔''

(ص ۶ مطبوعہ دارالحدیث محمدیہ، عام خاص باغ ملتان شہر)

موجودہ دور میں تطلیق ثلاثہ کی قانونی حیثیت:

مندرجہ ذیل مسلمان ممالک میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی رجعی طلاق شمار کرنے کا قانون نافذ کر دیا گیا ہے:

(۱) مصر ۱۹۲۹ء میں (۲) سوڈان ۱۹۳۵ء میں (۳) اردن ۱۹۵۱ء میں

(۴) مراکش ۱۹۵۸ء میں (۵) عراق ۱۹۵۹ء میں (۶) پاکستان ۱۹۶۲ء میں

ان تصریحات کی روشنی میں آپ خود ہی ملاحظہ فرمالیجئے کہ اس مسئلہ میں امت کے اجماع کا دعویٰ کس حد تک حقیقت پر مبنی ہے؟

(۴) متفرقات

سنت اور جائز کا مسئلہ

قاری صاحب فرماتے ہیں:

''نیز جس طرح متفرق طور پر دی گئی تین طلاقوں کے وقوع پر کسی کو اعتراض نہیں ہے اسی طرح ایک ہی مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے وقوع پر بھی کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی سنت اور جائز ہے۔'' (منہاج مذکور ص ۳۰۴)

اب دیکھئے جن لوگوں کو ایک مجلس کی تین طلاق کے بصورت تین واقع ہونے میں اعتراض ہے ان کی تعداد کثیر ہے جسے ہم ''اجماع کی حقیقت'' کے تحت تفصیل سے بیان کر آئے ہیں، جس سے حقیقت حال کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ عملی میدان میں بعض مقامات پر متعصب قسم کے حنفی حضرات اس ''اجماع'' کو انتشار، قطع رحمی اور بائیکاٹ کے ذریعہ زبردستی مسلمانوں پر ثابت کرنا اور ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ اسی اجماع کی آڑ میں اہلحدیثوں کو کافر قرار دینا، ان سے مقاطعہ کرنا اور انہیں مساجد سے نکال دینا تک روا رکھا جاتا ہے۔ ایسے واقعات کے وقوع کے باوجود احناف کو اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا اور وہ بدستور ابھی تک اجماع کے دعویٰ کی رٹ لگا رہے ہیں۔

رہی یہ بات کہ ایک مجلس کی تین طلاق بھی سنت اور جائز ہیں تو اس سلسلہ میں ہماری گزارشات یہ ہیں کہ:

(۱) قاری صاحب خود حافظ بدرالدین عینی کے حوالے سے فرمار ہے ہیں کہ ''جس شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی، لیکن طلاقیں دینے والا گنہگار ہوگا۔''

کیا یہ ممکن ہے کہ سنت اور جائز کام کرنے والا گنہگار ہو؟ بالفاظ دیگر اگر ایک مجلس میں تین طلاق دینا گناہ کا کام ہے تو یہ سنت اور جائز کیسے ہوسکتا ہے؟

(۲) اگر ایک مجلس میں تین طلاق دینا بھی سنت اور جائز ہے تو علماء وفقہائے احناف نے ایسی طلاق کو بدعی کا نام کیوں دیا ہے؟ (ملاحظہ ہو ہدایہ اولین' کتاب الطلاق' باب طلاق السنہ) کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی چیز بیک وقت سنت اور جائز بھی ہو اور بدعت اور کار معصیت بھی؟

مسلک کی حمایت:

قاری صاحب موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''فاضل مقالہ نگار مولانا عبدالرحمٰن کیلانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پرویز اور جعفر شاہ صاحب پھلواری کی جانب سے اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے جب تطلیق ثلاثہ کے موضوع پر پہنچے تو چونکہ یہ مسئلہ ان کے اپنے نظریہ اور عقیدہ نیز مسلک اہل حدیث کے خلاف تھا' لہٰذا کیلانی صاحب نے اپنے مسلک کی حمایت کو مقدم سمجھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر برس پڑے اور بیک جنبش قلم انہیں مخالف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''ہمیں یہ تسلیم کر لینے میں کوئی باک نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھا۔''

(منہاج مذکور ص ۳۰۲)

اس سلسلہ میں جو مجھ سے تسامح ہوا اس کا بھی اور جو قاری صاحب موصوف سے لغزش ہوئی اس کا بھی میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔ رہی مسلک کی حمایت کی بات تو چونکہ ہمارا مسلک کتاب وسنت کی حمایت اور دفاع ہے' لہٰذا میں قاری صاحب کے اس طعنہ حمایت کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی زیادہ سے زیادہ توفیق بخشے۔ میرا اصل مضمون بعنوان ''خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی شرعی تبدیلیاں'' دراصل میری اس مطبوعہ کتاب کا ایک باب ہے' جس کا نام ''دفاع حدیث'' ہے جو آئینہ پرویزیت کا پانچواں حصہ ہے پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر حج تمتع کے مسئلے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ' سنت کی حمایت کرتے ہوئے اپنے باپ سے اختلاف کر

سکتے ہیں اور سائل کو یوں جواب دے سکتے ہیں کہ "قابل قبول بات رسول اللہ ﷺ کی ہے' نہ کہ میرے باپ کی" (ترمذی، ابواب الحج باب ماجاء فی التمتع) تو کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کردار ہمارے لیے رہنمائی کا کام نہیں دے سکتا؟ اگر میں نے بیس بائیس معاملات میں پرویز صاحب اور پھلواری صاحب کے اعتراضات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دامن کو پاک کیا ہے تو اگر مجھے کچھ راہ نظر آتی تو کیا میرے لیے یہ بات باعث سعادت نہ تھی کہ اس اعتراض کو بھی آپ رضی اللہ عنہ سے دور کر دیتا؟

پرویز صاحب اور پھلواری کا اعتراض یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تطلیق ثلاثہ کو نافذ کر کے دور نبوی اور صدیقی کے تعامل امت میں تبدیلی پیدا کر دی۔ اب قاری صاحب کے "یہ بھی سنت اور جائز اور وہ بھی سنت اور جائز" کہنے سے تو کام نہیں چلتا' جب کہ شبلی نعمانی جیسے حنفی محقق اسے اولیات عمر رضی اللہ عنہ میں شمار کر کے اس تبدیلی کو تسلیم فرما رہے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد کو اختلاف رکھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے "کم صحیح" قرار دے رہے ہیں۔ اور پیر کرم شاہ ازہری صاحب کی تحریر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمال احترام کو ملحوظ رکھنے کے باوجود انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تبدیلی کی کوئی شرعی بنیاد نظر نہیں آتی۔ اسی طرح کے کئی دوسرے علماء کے اقتباس بھی ہم پہلے درج کر چکے ہیں۔ پھر میں نے اگر اس تبدیلی کو "اجتہادی غلطی" کے تحت لا کر اسے کتاب وسنت کی منشا کے خلاف لکھ دیا تو کون سی نئی بات کہہ ڈالی ہے' جسے حنفی علماء تسلیم نہیں کرتے؟

مزید برآں اگر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تبدیلی کو درست قرار دینے کے درپے ہو جائیں تو اس سے ایک ایسے مفسدہ کی طرف راہ کھلتی ہے' جس کی طرف یہ حضرات ہمیں لے جانا چاہتے ہیں۔ یعنی ہمیں بھی یہ حق ہونا چاہئے کہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق سنت رسول ﷺ میں حسب ضرورت تبدیلیاں کر لیا کریں۔ لہٰذا راہ صواب یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تبدیلی کو کم صحیح یا کتاب وسنت کی منشا کے خلاف قرار دے کر آئندہ کے لیے اس مفسدہ کی راہ بند کر دی جائے۔ ویسے بھی ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ "تبدیلی" ایک تعزیری حکم تھا۔

اب مسلک کی حمایت کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیے اور وہ یہ ہے کہ قاری صاحب موصوف جس بات کا مجھے طعنہ دے رہے ہیں کیا ان کا اپنا دامن اس سے بچا ہوا ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ قاری صاحب ایک مجلس کی تین طلاق کے تین واقع ہونے کو اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے' بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قیاس ہے ہمارے اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ جب کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے یا مسلک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں اختلاف ہوگا، تو احناف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو کبھی درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے ہمیشہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو قبول کریں گے اور اسی کی تائید کریں گے۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں مسلمانوں کو حج تمتع سے روکتے تھے۔ (مسلم کتاب الحج) جبکہ احناف حج تمتع کو جائز ہی نہیں، بلکہ بہتر سمجھتے ہیں' اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ جہری نمازوں میں دعائے استفتاح بلند آواز سے پڑھنے کے قائل تھے اور کبھی کبھی پڑھا بھی کرتے تھے۔ (مسلم کتاب الصلوۃ باب من قال لایجہر بالبسملۃ) مگر احناف اسے درست نہیں سمجھتے۔ ان مثالوں سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ قاری صاحب موصوف حضرت عمرؓ کی آڑ میں حقیقتاً اپنے ہی مسلک کی حمایت فرما رہے ہیں۔

تقلید کی برکات:

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں آج تک جو اختلاف چلا آرہا ہے' اور یہ اختلاف آئندہ بھی ختم ہوتا نظر نہیں آتا، تو اس کی اصل وجہ محض تقلید ہے۔ یہ تقلید ہی کے کرشمے ہیں کہ کتاب وسنت کے اتنے واضح اور صحیح دلائل کے باوجود آج تک یہ مسئلہ اختلافی ہی بنا ہوا ہے۔ اور اگر کوئی صاحب ذرا بالغ نظری سے کام لیں تو انہیں تقلید چھوڑنے کا طعنہ دیا جاتا ہے اور ''تمسک بالتقلید'' کی تلقین کی جاتی ہے۔

تطلیق ثلاثہ کے موضوع پر احمد نگر میں جو سیمینار منعقد ہوا' اس میں مولانا سید احمد صاحب عروج قادری مدیر ماہنامہ ''زندگی'' (رام پور) نے اس مسئلہ میں صرف اتنی لچک دکھائی کہ ''جو شخص تین طلاقیں ایک ہی دفعہ دے دے' مگر بعد میں یہ کہہ دے کہ اس کی نیت

صرف ایک کی تھی اور باقی الفاظ تاکیدی تھے' یا وہ شخص یہ کہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ جب تک تین طلاق کا لفظ استعمال نہ کیا جائے' طلاق واقع ہی نہیں ہوتی' تو ان صورتوں میں طلاق ایک ہی شمار کی جانی چاہیے۔ اور اگر اس کی نیت بھی فی الواقع تین کی ہی تھی تو پھر تین طلاقوں کو ایک قرار دینا میرے نزدیک صحیح نہیں'' اور یہ ایسی بات تھی جس کے لیے فقہ حنفی میں گنجائش بھی موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود جناب عامر عثمانی صاحب مدیر (ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند) نے عروج صاحب پر شدید گرفت کی اور فرمایا کہ ''لوگوں کا جہل کسی فعل کی تاثیر میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ جیسے اگر کوئی شخص بھولے سے بھری ہوئی بندوق داغ دے اور گولی کسی انسان کے سینے میں لگ جائے تو وہ زخمی ہو ہی جائے گا۔ بھولے سے داغی ہوئی گولی بے اثر نہیں رہے گی۔'' (مقالات ص ۱۸۷)

طلاق یا بندوق کی گولی؟

اس کے جواب میں عروج قادری صاحب نے جو مضمون لکھا اس کا عنوان ''طلاق بندوق کی گولی نہیں ہے'' تجویز فرمایا اور کئی مثالوں سے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ فی الواقع طلاق بندوق کی گولی نہیں۔ اس مضمون کا آخری پیرا قابل ملاحظہ ہے۔ عروج قادری صاحب عامر عثمانی صاحب سے فرماتے ہیں:

تواصوا بالتقلید:

''جب آپ نے مجھے تقلید کو دانتوں سے پکڑنے کا مشورہ دیا تھا اور اپنی تقلید پسندی کا اقرار کیا تھا تو میں نے ہنستے ہوئے عرض کیا تھا کہ آپ کسی مسئلے میں تو مقلد جامد بن جاتے ہیں اور کسی میں مجتہد مطلق۔ اب مزید عرض کرتا ہوں' اگر میں تقلید کو دانتوں سے پکڑے رہتا تو مسلم شریف کی روایت پر وہ مقالہ کبھی تیار نہ ہوتا جس کو آپ نے بھی ''بہت اچھا'' کہا ہے اور آپ خود تقلید کو دانتوں سے نہ چھوڑتے تو طلاق نمبر مرتب نہ ہوتا۔''

(مقالات صفحہ ۱۶۴)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم حضرات کو اگرچہ کسی اشد ضرورت کے تحت

تقلید کے سلسلہ میں نرمی اختیار کرنا پڑتی ہے،لیکن اس کے باوجود"علیکم بالتقلید "کی تلقین کا فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں اور لچک پیدا کرنے پر ارباب تقلید کی طرف سے محاسبہ بھی کیا جاتا ہے۔ جہاں تقلیدی تعصب کا یہ حال ہو کہ صحیح احادیث کو تسلیم کر لینے کی بجائے اس کی تاویلات اور جوابات تلاش کرنے میں اپنی صلاحیتوں کو کھپایا جا رہا ہو، وہاں کبھی مسائل کا اختلاف ختم ہو سکتا ہے؟

کچھ آپس کی باتیں

(۱) اختلاف کا اعتراف:

جناب عامر عثمانی مدیر"تجلی" دیو بند، جناب مولانا سید احمد عروج قادری مدیر"زندگی" رام پور سے مخاطب ہیں"مدیر زندگی کا اجماع پر شبہ ظاہر کرنا معقولیت کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ وہ بجا طور پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سینکڑوں سال سے اہل علم اپنی کتابوں میں اس اختلاف کا ذکر کرتے ہی آرہے ہیں اور علمائے خلف کی کتابیں بھی اس ذکر سے خالی نہیں۔ واقعی ایسی صورت میں یہ سمجھنا ہی چاہئے کہ یہ مسئلہ کسی درجے میں اختلافی ہے لیکن ہم نے انہیں (یعنی عوام الناس کو۔مولف) بتایا کہ یہ فتنے اور اختلاف کا بیج دراصل خوارج اور روافض کا بویا ہوا ہے۔ دس بارہ نام جو بعض کتابوں میں اختلاف کرنے والوں کے درج ہو گئے ہیں، وہ سب دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ جہاں تک صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعلق ہے ان میں تو کسی ایک کی طرف بھی اختلاف کی نسبت کذب وافترا کے سوا کچھ نہیں، سفید جھوٹ ہے۔ باقی ناموں میں اکثریت ان کی ہے جو اجتہاد وفقہ کے بازار میں پھوٹی کوڑی کی بھی قیمت نہیں رکھتے۔ رہے ایک دو وہ نام جن کی کوئی اہمیت ہے، تو ان کی طرف اختلاف کی نسبت ہی درست نہیں۔قوی سندوں سے نقل کا کہیں پتا نہیں۔البتہ اجماع ثابت کرنے والی نقلیں قوی تر ہیں اور کثیر سندوں سے مروی ہیں، جنہیں جھٹلانا کسی واقف فن کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔"

(مقالات ص ۱۹۳)

یہ تحریر جناب عامر عثمانی صاحب کی ہے جو نہایت متعصب حنفی ہیں لہٰذا

؎ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

کے مصداق اس تحریر سے درج ذیل امور کھل کر سامنے آ گئے ہیں:

(۱) اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کا ٹھیک ٹھیک علم احناف کو بھی ہے اور ابتدا سے ہے اس کے باوجود مسلک کی حمایت کی خاطر اجماع کا ڈھونگ رچایا گیا ہے اور اس اجماع کو ثابت کرنے کے لیے ہر طرح کے حربے استعمال کئے گئے ہیں۔

(۲) ہمارے قاری صاحب نے بھی فرمایا تھا کہ یہ مسئلہ ضروریات شیعہ سے ہے۔ عامر صاحب نے یہ بھانڈا ہی پھوڑ دیا اور یوں وضاحت فرمائی کہ ''ہم نے انہیں بتایا کہ یہ فتنے اور اختلاف کا بیج دراصل خوارج اور روافض کا بویا ہوا ہے''

(۳) اس اقتباس میں عامر صاحب نے یہ اعتراف بھی فرما لیا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس فیصلہ سے اختلاف رکھتے تھے، لیکن ہماری پالیسی یہ رہی ہے کہ جہاں تک اس حقیقت پر مٹی ڈالی جاسکتی ہے، ڈالی جائے۔

(۴) قاری صاحب یہ بھی فرما رہے تھے کہ اہلحدیثوں نے یہ مسئلہ شیعہ حضرات سے لیا ہے۔ اب عامر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اختیار کیے ہوئے تھے۔ تو کیا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ مسئلہ شیعہ حضرات سے ہی لیا تھا، جواب اہل حدیثوں پر یہ الزام لگانا ضروری ہے؟

(۲) طلاقوں کے درمیان وقفہ:

جناب محفوظ الرحمٰن صاحب قاسمی فاضل دیوبند، جناب عامر عثمانی مدیر ''تجلّی'' دیوبند سے مخاطب ہیں:

''یہی باتیں (یعنی متفرق طور پر طلاق دینا منشائے خداوندی ومقتضائے قرآن کریم ہے) سینکڑوں برس سے احناف کے چوٹی کے علماء لکھتے آ رہے ہیں اور ان میں یہ بات مسلمہ تھی۔ کیونکہ مقصد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا رد تھا۔ اب جب کہ یہی استدلال ان لوگوں کے

حق میں جارہا ہے جو تین کو الگ الگ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیک کلمہ تین طلاقیں کم سے کم تین نہیں سمجھی جائیں گی کیونکہ یہ تین مرتبہ واقع نہیں کی گئی ہیں' تو اب مولانا عامر عثمانی صاحب احناف کی ان متفقہ تصریحوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اصرار کر رہے ہیں کہ ان بزرگوں نے جو سمجھا' غلط سمجھا۔ یہاں بھی یہ ''اثنین'' ہی کے معنی میں ہے سوال یہ ہے کہ اگر اس کا احتمال تھا کہ ''مرتان'' یہاں ''اثنین'' کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے' تو آخر ''اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال'' کے باوجود محققین احناف کیوں کہتے چلے آرہے ہیں کہ مرتان ''اثنین'' کے معنی میں نہیں ہے۔'' (مقالات ص۱۹۶)

یہ اقتباس احناف کے سلف و خلف دونوں کے طریق کار' طرز استدلال اور مسلکی تعصب پر پوری طرح روشنی ڈال رہا ہے یعنی ان حضرات کو حقیقت تک پہنچنے اور اسے قبول کرنے سے غرض نہیں ہوتی' بلکہ ان کا اصل ہدف اپنے مخالف کے خلاف محاذ آرائی قائم کرنا ہوتا ہے اور ان کے نزدیک حالات کی تبدیلی کے ساتھ طرز استدلال کے بدل لینے میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔

دوسرے مسلک پر عمل:

میں نے لکھا تھا ''چونکہ یہ فتویٰ (یک بارگی تین طلاق کو تین ہی شمار کرنا) انسانی فطرت کے خلاف ہے اور اس کے مفاسد بے شمار ہیں، لہٰذا احناف کا ایک کثیر طبقہ امام صاحب کے اس فتویٰ سے متفق نہیں ہے وہ مالکیہ کے مطابق اسے ایک ہی طلاق قرار دیتے ہیں'' اس پر قاری صاحب فرماتے ہیں کہ ''فاضل مولف کی یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ احناف کا کثیر طبقہ امام صاحب کے اس فتویٰ سے متفق ہے اور امام مالک تین طلاق کو ایک قرار نہیں دیتے۔''

اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ اگر میں اکثر کا لفظ استعمال کرتا تو واقعی اس سے یہ مفہوم پیدا ہوسکتا تھا کہ تھوڑے حنفی ہیں جو امام صاحب کے اس فتویٰ سے اتفاق رکھتے ہیں اور زیادہ مخالف ہیں' لیکن فی الواقع یہ صورت نہیں۔ قلت اور کثرت تعداد کا لحاظ رکھا جائے تو فی

الواقع اکثریت امام صاحب کے فتویٰ سے اتفاق رکھتی ہے۔ میں نے کثیر کا لفظ ''بہت'' یا ''بہت سے'' کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور میرے خیال میں جس قدر نام میں نے ''اجماع کی حقیقت'' میں حنفی علماء کے گنوادیئے ہیں' ان پر بھی ''ایک کثیر طبقہ'' کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ علماء عام انسان نہیں' بلکہ ان کا اپنا بھی وسیع حلقہ اثر ہے۔

رہا فقہ مالکی کے مطابق فتویٰ دینے کا معاملہ تو علمائے احناف سفارش یہ کرتے ہیں کہ جس طرح احناف مفقود الخبر اور عدت ممتدۃ الطہر کے مسائل میں فقہ مالکیہ کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں' اسی طرح اگر وہ اس تطلیق ثلاثہ کے مسئلے میں بھی امام صاحب کی تقلید سے ہٹ کر کسی دوسرے مسلک کے مطابق فتویٰ دے دیں تو حنفی مذہب میں اتنا توسع موجود ہے۔ ایسا مشورہ دینے والے حضرات مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی اس مسئلہ میں ترک تقلید امام اعظم کی رخصت دیتے ہیں' جیسا کہ مفقود الخبر اور عدت ممتدۃ الطہر کے مسائل میں احناف فقہ مالکیہ کے مطابق فتویٰ دینا جائز قرار دیتے ہیں۔

(مجموعہ فتاویٰ ص ۳۴۷)

(۱) مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی (۲) مولانا محمد عبدالحلیم قاسمی صدر علمائے احناف پاکستان (۳) مفتی حبیب المرسلین مدرسہ امینیہ دہلی (۴) مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب قاسمی فاضل دیوبند (۵) پیر کرم شاہ صاحب ازہری (مدیر ماہنامہ ''ضیائے حرم'' بھیرہ' رکن اسلامی نظریاتی کونسل اور رویت ہلال کمیٹی) نیز احمد نگر میں منعقدشدہ سیمینار میں شرکت کرنے والے اکثر مقالہ نگار حضرات۔

البتہ قاری صاحب کی یہ بات درست ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ بھی تین طلاق کو ایک قرار نہیں دیتے۔ میں دراصل کہنا یہ چاہتا تھا کہ جس طرح بعض مسائل میں احناف فقہ مالکیہ کے مطابق فتویٰ دینے کو درست کہتے ہیں اسی طرح بعض احناف اس مسئلہ میں بھی ایک طلاق شمار کرنے والے مسلک کی سفارش کرتے ہیں۔

افسوس ناک پہلو:

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تطلیق ثلاثہ کا قانون نافذ فرمایا تھا تو اس سے آپ رضی اللہ عنہ کا مقصد عوام الناس کی اصلاح تھی۔ اس قانون کا ایک نتیجہ یہ بھی سامنے آیا کہ لوگ حلالہ کے متعلق سوچ و بچار کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرا قانون یہ رائج فرمایا کہ محلل اور محلل لہٗ دونوں کو محض زانی قرار دے کر ان کو سنگسار کر دینے کی سزا مقرر کی۔ اس فاروقی درہ سے بہت حد تک لوگوں کی اصلاح ہوگئی' مگر بعد کے ادوار میں جب فاروقی درہ نہ رہا تو پھر حلالہ کی طرف رجحان بڑھنے لگا۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے اکثریتی اجتہاد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری قانون کو ایک شرعی مسئلہ بنا دیا اور تقلید کی روش نے اسے شہرت دوام عطا کی۔

دوسری طرف امت کا ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو ابتدا ہی سے اکٹھی تین طلاق کو تین طلاق دینے والے کی حماقت، جلد بازی اور عصیان پر محمول کرنے کے باوجود اسے ایک ہی رجعی طلاق قرار دیتا۔ ہمارے ہاں یہ دونوں گروہ موجود ہیں' اگرچہ اکثریت احناف کی ہے جو تطلیق ثلاثہ کے بڑی شدت سے قائل ہیں اور اس مسئلہ میں خاصی کشیدگی بھی موجود ہے اب یہ بات بھی تقلید ہی کے ثمرات میں شمار کیجئے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر بعد میں پشیمان ہوتا ہے تو علمائے احناف اسے خود حلالہ کا راستہ دکھاتے ہیں۔ وہی حلالہ جس کے کرنے اور کرانے والے دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی تھی۔ وہی حلالہ نکالنے والا شخص جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تیس مستعار'' (یعنی کرایہ کے سانڈ) سے تعبیر فرمایا تھا۔ وہی حلالہ جس کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رجم کی سزا مقرر کی تھی۔ وہی حلالہ جو کسی بھی غیرت مند مسلمان کی غیرت کا جنازہ نکال دیتا ہے۔ اور وہی حلالہ جس کی زد میں آ کر کئی عورتیں ہمیشہ کے لیے حیا باختہ ہو جاتی ہیں۔ اسی حلالہ کو ہمارے مقلد بھائیوں نے نہ صرف برداشت کیا بلکہ ''ھَنِیْئًا مَرِیْئًا'' سمجھ کر اور اس کے فتوے دے دے کر ''عنداللہ ماجور'' بھی ہونے لگے۔ حتیٰ کہ اس کار حرام کو حلال بنانے کے شرعی حیلے بھی بتانے لگے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا رہا کہ کہیں تقلید کی روش پر آنچ نہ آنے پائے' یا کسی حنفی کو کسی اہل حدیث کی

طرف رجوع کرنے کی احتیاج باقی نہ رہے۔ اور انتہائی شرم ناک پہلو یہ ہے کہ بعض مقامات پر ایسے کرایہ کے سانڈوں کا مذہبی سطح پر بندوبست بھی کیا جانے لگا اور یہ بھی نہ سوچا کہ خود علمائے احناف اگر تطلیق ثلاثہ کے قائل ہیں تو بالکل اسی طرح وہ نکاح حلالہ کی حرمت کے بھی قائل ہیں۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر حلالہ کا نکاح ہی حرام اور باطل ہو تو حلالہ کے بعد عورت زوج اول کے لیے حلال کیسے ہو جاتی ہے؟ اور اگر وہ ایسا کر بھی لیتے ہیں تو کیا یہ سب کچھ حرام کاری یا زنا ہی نہ ہوگا؟ پھر کیا اس حرام کاری سے وہ صورت بہتر نہیں جس میں حلالہ کے بغیر ہی عورت اور زوج اول آپس میں مل بیٹھیں اور جس سے زوجین کی غیرت بھی مجروح نہیں ہوتی؟ یہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری اور وقتی قانون کو تقلید کی پاسداری کے لیے شرعی قانون بنا کر پیش کرنے کے نتائج!

اختلاف ختم نہ ہونے کی وجہ محض تقلید ہے:

تطلیق ثلاثہ کے سلسلہ میں کسی بھی دوسرے امام سے فتویٰ لینے سے متعلق چند ممتاز حنفی علمائے دین کے فتوے ملاحظہ فرمائیے:

(۱) مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (فرنگی محل) کا فتویٰ:

''اس صورت میں حنفیہ کے مطابق تین طلاق ہوگی اور بغیر تحلیل نکاح درست نہ ہوگا۔ مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو تو کسی اور امام کی تقلید کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ نظیر اس کی نکاح ''زوج مفقود الخبر'' موجود ہے۔ حنفیہ عند الضرورت قول امام مالکؒ پر عمل کر لینے کو درست سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ''ردالمحتار'' میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔''

(۲) مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم اس پر متفق ہیں۔ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ بعض علماء اس بات کے ضرور قائل ہیں

کہ اس طرح ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ یہ مذہب اہل حدیث حضرات نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' طاؤس رحمۃ اللہ علیہ' عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ پس کسی اہل حدیث عالم کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ ہی وہ مستحق اخراج از مسجد ہے۔ ہاں حنفی کا اہل حدیث سے فتویٰ حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا بہ اعتبار تقویٰ ناجائز تھا۔ لیکن وہ بھی اگر مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب ہو تو قابل درگزر ہے۔''

(۳) مفتی حبیب المرسلین مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ:

''بعض سلف صالحین اور علماء متقدمین میں سے اس کے بھی قائل ہیں' اگرچہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ میں یہ بعض نہیں ہیں۔ لہٰذا جن مولوی صاحب نے مفتی اہل حدیث پر جو فتویٰ دیا یہ غلط ہے۔ اس اختلاف کی بنا پر کفر و مقاطعہ، اخراج از مسجد کا فتویٰ صحیح نہیں ہے۔ بوجہ شدید ضرورت اور خوف مفاسد اگر طلاق دینے والا ان بعض علماء کے قول پر عمل کرے گا جن کے نزدیک طلاق ایک ہی واقع ہوتی ہے' تو خارج از حنفی مذہب نہ ہوگا۔ کیوں کہ فقہاء حنفیہ نے شدت ضرورت کے وقت دوسرے امام کے قول پر عمل کر لینے کو جائز لکھا ہے۔''

(مقالات ص ۳۰' ۳۱)

مندرجہ بالا فتاوی سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

(۱) یہ سب حضرات حنفی مذہب سے خارج ہونے کو اسلام سے خارج ہونے کے مترادف نہیں سمجھتے۔

(۲) چونکہ ردالمحتار میں ''اشد ضرورت'' ''مفاسد زائدہ'' وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں' لہٰذا مفتی صاحب کو ان الفاظ کی تاکید کے ساتھ ہی کسی دوسرے عالم سے فتویٰ لینے کی اجازت ہے۔

(۳) اس خاص مسئلہ میں کسی دوسرے عالم سے مراد کم از کم ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین نہیں ہو سکتے، جن سے فتویٰ لینے اور اس پر عمل کرنے، یعنی طلاق ثلاثہ کو رجعی طلاق قرار

دینے کی اجازت دی جا رہی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ حضرات تطلیق ثلاثہ کو ایک قرار دینے کے عمل کو شرعی سمجھتے ہیں یا غیر شرعی؟ اگر وہ ایک رجعی طلاق قرار دینے کو فی الواقع اور بصدق قلب غیر شرعی ہی سمجھتے ہیں تو کیا وہ اشد ضرورت یا مفاسد زائد سے بچنے کے لیے نعوذ باللہ زنا کی اجازت دیتے ہیں؟ مفاسد زائدہ زیادہ سے زیادہ تو زنا ہی ہو سکتا ہے۔ زنا سے بچنے کے لیے زنا کی اجازت کا مطلب؟ اور اگر وہ اسے شرعی ہی سمجھتے ہیں خواہ وہ اسے راجح نہ سمجھیں' مرجوح ہی سمجھیں' تو پھر اس قدر چیں بہ جبیں کیوں ہو جاتے ہیں؟ اگر غور کیا جائے کہ وہ کونسی چیز ہے جو ان حضرات کو یہ بات تسلیم کر لینے میں آڑے آ رہی ہے' تو جواب بالکل واضح ہے کہ یہ چیز تقلید ہے۔ جو یہ جاننے کے باوجود کہ:

(۱) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی موقف تھا۔

(۲) قرآن کا انداز بیان اسی چیز کا مؤید ہے کہ طلاق یا طلاقوں کے بعد "فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ" کی گنجائش باقی رہے۔

(۳) صحیح احادیث سے تین طلاقوں کو ایک بنا دینے کی پوری وضاحت موجود ہے' اور دورِ فاروقی کے ابتدائی دو تین سال تک تعامل امت یہی تھا۔

(۴) معاشرتی لحاظ سے بھی اور اخلاقی لحاظ سے بھی مسلمانوں کی بھلائی اسی میں ہے' لہٰذا فقہی اصول استحسان اور مصالح مرسلہ کی رو سے بھی تین طلاق کو ایک ہی قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔

افسوس' مقلدین حضرات کو بہتر رستہ قبول کرنے میں یہی تقلید روگ بنی ہوئی ہے' بلکہ ان حضرات نے تطلیق ثلاثہ کے مخالفین کو اپنا دشمن اور کافر سمجھ کر اس مسئلہ کو یوں الجھا رکھا ہے کہ یہ اختلاف ختم ہونا ناممکن سی بات بن گئی ہے۔

ایک مجلس میں تین طلاق دینے والے کو سزا:

ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدت

غضب سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا ''میری موجودگی میں کتاب اللہ سے یہ مذاق؟''
آپ ﷺ کی یہ کیفیت دیکھ کر ایک شخص اجازت مانگنے لگا کہ ''میں اس مجرم کو قتل نہ
کردوں؟'' آپ ﷺ نے ازراہ شفقت اس مجرم کو قتل کرنے کی اجازت نہ دی، تاہم اس
واقعہ سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا شرعی نقطہ نظر سے کتنا بڑا گناہ
اور مکروہ فعل ہے۔ مگر دور جاہلیت کی یہ عادت رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جلد ہی
پھر عود کر آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے اس بدعادت کو چھڑانے کیلئے تین طرح
کے اقدامات کیے:

(۱) آپ رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے والوں کو بدنی سزا بھی دیتے تھے۔

(۲) ایک مجلس کی تین طلاق کو آپ رضی اللہ عنہ نے تین ہی شمار کرنے کا قانون نافذ کر دیا۔

(۳) اور جب لوگوں نے اپنی عادت پر کنٹرول کے بجائے حلالہ کی باتیں شروع کر
دیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے حلالہ نکالنے اور نکلوانے والے دونوں کیلئے رجم کی سزا مقرر کر دی۔ اس
طرح یہ فتنہ کچھ مدت کے لیے دب گیا۔ گویا دور فاروقی میں بھی اس کار معصیت کی اصلاح
صرف اس صورت میں ہوئی کہ حلالہ کے دروازہ کو سختی سے بند کر دیا گیا تھا۔

مگر آج صورت حال بالکل مختلف ہے۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ مقلد حضرات ہوں یا غیر
مقلد، کوئی بھی اکٹھی تین طلاق کو جرم سمجھتا ہی نہیں۔ بلکہ جہالت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ
عوام تو درکنار، خواص بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جدائی کے لیے تین طلاقیں دینا ضروری ہے۔
حالانکہ طلاق کی بہترین اور مسنون صورت یہی ہے کہ صرف ایک ہی طلاق دے کر عدت
گزر جانے دی جائے، تاکہ عدت گزرنے کے بعد اگر زوجین کی پھر خواہش ہو تو تجدید
نکاح سے مسئلہ حل ہو جائے۔ تاہم اگر بیوی سے اس قدر نفرت اور بگاڑ پیدا ہو چکا ہو اور وہ
تازیست اپنی بیوی کو رشتہ زوجیت میں نہ لینے کا فیصلہ کر چکا ہو، تو پھر تین کا عدد پورا کر کے
اپنی حسرت پوری کر لے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دیتا جائے،
تیسری طلاق کے بعد ان کے آئندہ ملاپ کی ''حتّٰی تنکح زوجاً غیرہ'' کے علاوہ کوئی

باقی نہ رہے گی جو اتفاقی ہوگی' نہ کہ منصوبہ بندی کے تحت!

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ آج کا المیہ یہ ہے کہ یکبارگی تین طلاق کو نہ مقلدین ناجائز اور کارِ معصیت سمجھتے ہیں اور نہ غیر مقلد۔ غیر مقلد' ایسے شخص کو اگر طلاق رجعی کی راہ دکھادیں تو اسے یہ کیوں کر معلوم ہو کہ اس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے؟ اور مقلد حضرات' محض اس خطرہ سے بچنے کے لیے کہ کہیں یہ کسی اہل حدیث کے ہتھے نہ چڑھ جائے، اسے حلالہ کی راہ دکھادیں تو بھی اس کا اُلو تو سیدھا ہو ہی جائے گا۔ آخر اسے اپنے جرم کی کیا سزا ملی؟ حالانکہ ہمارے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصل سنت یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے والے کو سزا ضرور دی جانی چاہیے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس سنت کو نہ مقلد حضرات درخورِ اعتناء سمجھتے ہیں نہ اہل حدیث حضرات۔ البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ علماء کی اس بے حسی کے بعد اہل حدیث تو مجرم کو سنت کی راہ دکھلاتے ہیں، جبکہ حنفی حضرات کارِ حرام کی طرف رہنمائی کرتے ہیں!

سزا کا مستوجب کون؟

اس معاملہ کا ایک اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بیک مجلس تین طلاق دینے کا جرم تو مرد کرتا ہے لیکن اس کے جرم کی سزا نکاحِ حلالہ کی صورت میں عورت کو دی جاتی ہے۔ مرد کو تو اہل علم وفتویٰ سرزنش تک کرنے کے روادار نہیں ہوتے' مگر بیوی کو کسی کرایہ کے سانڈ کے ہاں شب بسری کی راہ دکھائی جاتی ہے۔ ''کرے کوئی اور بھرے کوئی'' کی اس سے زیادہ واضح اور کوئی مثال ہو سکتی ہے؟ اس بے بس عورت نے اس ظلم و زیادتی کا اپنے خاوند سے اور اپنے رشتہ داروں سے یوں انتقام لیا کہ رات ہی رات میں حلالہ نکالنے والے مرد سے سیٹ ہوگئی اور اس نئے جوڑے نے عہد و پیمان کے ذریعہ اپنے رات ہی رات کے نکاح کو پائیدار کرلیا اور حلالہ نکلوانے والوں کی سب امیدیں خاک میں ملادیں۔ ایسے واقعات آئے دن اخبارات و رسائل میں چھپتے رہتے ہیں۔

ایک ایسا واقعہ میں ذاتی طور پر بھی جانتا ہوں۔ ہوا یہ کہ کسی تاجر کی لڑکی کو اس کے خاوند

نے تین طلاق دے دیں۔اب حلالہ کی ضرورت پیش آئی تو تاجر اور اس کے داماد (لڑکی کو طلاقیں دینے والے خاوند) نے حلالہ کے لیے تاجر کے ایک بااعتماد نوکر کا انتخاب کیا اور نکاح کر دیا۔لڑکی کی غیرت اس گھناؤنے فعل کو برداشت نہ کر سکی، جب رات اکٹھے ہوئے تو اس نے اپنے ملازم کا حوصلہ بڑھایا اور اس بات پر قائم کر دیا کہ اب وہ طلاق نہ دے گا۔ جب صبح ہوئی تو وہی شخص جو کل تک ان کا بااعتماد نوکر تھا، ان کا داماد اور شریک بن کر سامنے آ گیا اور اس کی بیوی اس کی حمایت میں تھی۔ خاوند اور باپ کو بہر حال یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑا۔ اندریں صورت ہمارے خیال میں بیک وقت تین طلاق دینے والے شخص کے لیے کچھ نہ کچھ سزا ضرور تجویز کی جانی چاہئے۔

سزا کیا ہو؟

میرے خیال میں یک بارگی تین طلاق کی سزا کو ظہار کی سزا یا کفارہ پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔دور جاہلیت میں ظہار جدائی کی تمام اقسام میں سے سخت ترقسم سمجھی جاتی تھی۔ پھر جب عہد نبوی ﷺ میں ایسا ایک واقعہ رونما ہوا اور میاں بیوی دونوں کی جان پر بن گئی اور وہ عورت شکوہ کناں آپ ﷺ کے پاس آ کر اس مصیبت سے نجات کی راہ پانے کے لیے آپ ﷺ سے جھگڑا کرنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے زوجین کی مشکلات کا حل فرما دیا۔ جو یہ تھا کہ اپنی بیوی کو ماں کہہ دینے سے چونکہ فی الحقیقت وہ ماں نہیں بن جاتی لہٰذا اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ''مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا'' (ناپسند اور انہونی بات) قرار دے کر اس کا کفارہ مقرر فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ضمناً یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ فی نفسہ الفاظ میں کچھ تاثیر نہیں ہوتی، بلکہ الفاظ میں تاثیر شرعی احکام سے ہی پیدا ہوتی ہے اور شرعی احکام سے ہی یہ تاثیر خارج یا ختم بھی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا طلاق کے لفظ یا تین طلاق کے الفاظ کی تاثیر کا پتہ چلانے کے لیے شرعی حکم یا سنت نبوی ﷺ کا لحاظ رکھنا پڑے گا۔ فی نفسہ تین طلاق کے الفاظ بندوق کی گولی نہیں ہوتے!

ہاں تو بات یہ چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ''منکر'' اور ''زور'' بات کا کفارہ مقرر کر

کے زوجین میں رشتہ زوجیت کو بحال رہنے دیا، اور یہ کفارہ مرد ہی کو ادا کرنا ہوتا ہے بالکل اسی طرح ایک مجلس کی تین طلاق بھی ایک ''منکر'' اور ''زور'' بات ہے' اور دونوں کا نتیجہ زوجین میں جدائی ہے۔ پھر کیا زوجین کے تعلقات کو شرعی حکم یا دورِ نبوی ﷺ کے تعامل کے مطابق بدستور بحال رکھنے (یعنی اسے ایک رجعی طلاق قرار دینے پر) کفارہ کی ضرورت نہ ہوگی؟ دورِ نبوی میں یہ جرم چونکہ محدود پیمانہ پر تھا' لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے از راہ شفقت اس کا کوئی کفارہ مقرر نہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ جرم بکثرت وقوع پذیر ہونے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ ایسے شخص کی تین طلاق شمار کرنے کے علاوہ اسے بدنی سزا بھی دیتے اور حلالہ کی راہ بھی مسدود کر دیتے تھے۔ آج جب کہ لوگوں کا مبلغ علم ہی یہ ہے کہ جب تک تین طلاق نہ دی جائیں طلاق واقع ہی نہیں ہوتی اور بالعموم لکھ کر اکٹھی تین طلاقیں سپرد ڈاک کر دی جاتی ہیں' تو اس پھیلے ہوئے جرم کی روک تھام کے لیے اگر ہمارے مفتی حضرات بدنی سزا نہیں دے سکتے یا قانوناً حلالہ کو زنا قرار دے کر اس کی سزا نہیں دے سکتے' تو کم از کم کفارہ تو تجویز فرما سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں ان دونوں اقسام جدائی (یعنی بذریعہ ظہار اور بذریعہ ایک مجلس کی تین طلاق) میں کئی طرح سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا کفارہ ظہار کے مطابق ہونا چاہیے۔ یعنی غلام آزاد کرنا یا متواتر دو ماہ کے روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ آج کل غلامی کا دور بیت چکا' لہٰذا یہ شق خارج از بحث ہے۔ پھر آج کل افراطِ زر کی وجہ سے اکثر لوگوں کے لیے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی سزا کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اندریں صورت میرے خیال میں متواتر دو ماہ روزے فی الحقیقت ایسا کفارہ ہے جس سے مجرم کو بھی اور دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر ایک آدمی کو بھی ایسی سزا مل جائے تو عوام الناس کو یقیناً اس بات کا فوری طور پر علم ہو جائے گا کہ بیک وقت تین طلاق دینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ شرعی طریقہ طلاق سیکھ کر اسے اپنا لیں گے اور نکاح حلالہ کی از خود حوصلہ شکنی ہوتی جائے گی۔

معصیت کو قائم رکھنا بھی معصیت ہے:

اگر ایک مجلس کی تین طلاق کا کفارہ متواتر دو ماہ کے روزے دشوار سمجھے جائیں تو پھر کم تر درجہ کی سزا یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس جرم کو غیر شرعی نذر پر محمول کر کے قسم کے کفارہ پر اکتفا کرلیا جائے جو ظہار کے مقابلہ میں بہت ہلکی سزا ہے۔ بہر حال جو بھی صورت ہو ایسی طلاقیں دینے والے کیلئے کچھ سزا ضرور ہونی چاہیے۔ اگر سزا مقرر نہ کی جائے گی تو عوام میں یہ احساس کبھی پیدا نہ ہوسکے گا کہ ایسی طلاقیں دینا کار معصیت ہے لہٰذا علماء اور مفتی حضرات کو اس طرف خصوصی توجہ دینا چاہیے۔ اور یہ بات ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ خاموشی اور بے حسی کے ذریعہ معصیت کو قائم رکھنا یا رہنے دینا بھی کار معصیت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ندامت؟

اپنے مضمون کے آخر میں میں نے اغاثۃ اللہفان کے حوالہ سے لکھا تھا کہ حضرت عمرؓ کو آخر عمر میں اس تعزیری فیصلے پر ندامت بھی ہوئی۔ جس کے جواب میں قاری صاحب موصوف فرما رہے ہیں کہ اس روایت میں ایک راوی خالد بن یزید کذاب ہے' لہٰذا یہ روایت نا قابل احتجاج ہے قاری صاحب کی یہ تحقیق سر آنکھوں پر' ہمیں اس روایت کو درست ثابت کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ کیوں کہ مسئلہ زیر بحث کے اثبات کے لیے کتاب وسنت میں بہت کافی مواد موجود ہے، جیسا کہ واضح کیا جاچکا ہے۔

تطلیق ثلاثہ کے سلسلہ میں ایک سوال اور اس کا جواب:

جناب محمد سمیع الدین صاحب کراچی سے لکھتے ہیں۔

''ایک عام غلط فہمی ہے براہ مہربانی دور فرمایئے' ممنون ہوں گا

ایک شخص کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے' لیکن ایک ماہ بعد (ایام عدت ہی میں) رجوع کر لیتا ہے۔ تقریباً ایک سال بعد پھر کچھ ان بن ہوجاتی ہے اور طلاق دے بیٹھتا ہے، لیکن چھ ماہ بعد (ایام عدت کے بعد) اس سے تجدید نکاح کر لیتا ہے۔ پھر کئی سال

اچھے گزار کر طلاق کی نوبت آ جاتی ہے۔

بہت سے علماء سے رجوع کرنے پر معلوم ہوا کہ تین طلاقیں ہو چکی اور تیسری بار کی طلاق طلاق مغلظہ ہے۔ چند متبحر علماء کا کہنا ہے کہ طلاق کے بعد رجوع یا نکاح' طلاق کو باطل کر دیتا ہے اور مطلقہ پہلے ہی کی طرح بیوی بن جاتی ہے۔ طلاق نکاح کو فوراً باطل نہیں کرتی' جبکہ نکاح یا رجوع طلاق کو فوراً باطل کر دیتا ہے۔ رجوع یا نکاح کے بعد دی گئی طلاق جمع نہیں رہتی' بلکہ باطل ہو جاتی ہے اور مطلقہ بالکل پہلے ہی کی طرح اس کی بیوی ہو جاتی ہے۔ ایام عدت میں رجوع کا مطلب تو یہ ہوا کہ طلاق پوری طرح موثر نہیں ہوئی تھی کہ بغیر نکاح کے ہی (رجوع کرنے پر) وہ اس کی بیوی بن جاتی ہے، جبکہ ایام عدت کے بعد نکاح کا مطلب یہ ہوا کہ ایک غیر عورت کی طرح معاملہ ہوا کہ نکاح اور مہر وغیرہ کی نوبت آئی' کیا پھر بھی وہ طلاق جمع رہے گی اور آئندہ اس کا شمار ہو گا؟...... کیا قرآن وحدیث سے یا دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔

بعض علماء نے کوئی جواب نہ دیا' بعض جگہوں سے متضاد جوابات آئے' جن میں عقلی و نقلی کوئی دلیل نہیں۔ فقہ حنفی کی کتب تو غیر معقول باتوں سے بھری پڑی ہیں' جیسے ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی ان کے ہاں تین ہی تسلیم کر لی جاتی ہیں۔ براہ مہربانی کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ کیا منسوخ شدہ طلاق بھی جمع رہتی ہے؟ یعنی ایک طلاق کی صورت میں ایام عدت گزارنے کے بعد اگر نکاح کر لیا تو پہلی طلاق جمع رہے گی، اور جب کبھی دوبارہ طلاق دے گا تو یہ طلاق کیا دوسری شمار ہو گی؟

نیز ایک عالم دین طلاق مغلظہ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ تیسری طلاق اس معنی میں مغلظہ ہے کہ اس سے ایام عدت میں پہلی دو طلاقوں کی طرح رجوع نہیں کر سکتے، البتہ جب ایام عدت گزر جائیں گے تو وہ عورت بالکل غیر عورت کیطرح ہو گی' اب اس سے بھی نکاح کیا جا سکتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ اس کی بھی وضاحت فرما دیں۔ جزاکم اللہ

الجواب بعون اللہ الوہاب

(۱) محترم سائل نے سوال کرنے میں معاملہ کو الجھا دیا ہے۔ جو کچھ بھی سمجھا' ان کا ایک سوال تو یہ ہے کہ آیا رجوع طلاق کو باطل کر دیتا ہے یا نہیں؟ (اس سوال میں نکاح کی بات نہ کرنی چاہیے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ رجوع طلاق کو باطل نہیں کرتا' بلکہ وہ طلاق شمار ہوگی۔ اس کی نقلی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ کتاب الطلاق کی ابتدا ہی میں اس کے پہلے باب میں بیان کرتے ہیں:

"اِذَا طلّقتِ الْحَائِض یُعْتَدُّ بِذَالِکَ الطّلاق"

"جب کوئی اپنی حائضہ بیوی کو طلاق دے دے تو وہ طلاق محسوب ہوگی یا نہیں؟" کے تحت لائے ہیں' اور یہ اس کتاب الطلاق کی تیسری حدیث ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ان سے کہیے کہ رجوع کر لیں۔ (الحدیث)

اسی حدیث کے آخر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا گیا "آیا وہ طلاق شمار ہوئی تھی یا نہیں؟" تو انہوں نے جواب دیا کہ "ہاں ہوئی تھی"

یہ طلاق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حیض کی حالت میں دی تھی' جبکہ حیض کی حالت میں طلاق منع ہے۔ تو جب حیض کی حالت میں غیر مسنون طریق پر دی گئی طلاق شمار ہوگی تو مسنون طریق پر دی گئی طلاق کیوں شمار نہ ہوگی؟

اور عقلی جواب یہ ہے کہ اگر طلاق شمار ہی نہ ہو تو رجوع کا کیا سوال ہے؟ اور یہ طلاق، طلاق کیوں ہے؟

(۲) دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ عدت کا پورے کا پورا عرصہ مطلقہ عورت اپنے خاوند کی زوجیت میں ہوتی ہے۔ لہٰذا سوال نامہ کے یہ الفاظ کہ "طلاق پوری طرح موثر نہیں ہوئی تھی اور بغیر نکاح کے ہی (رجوع کرنے پر) وہ اس کی بیوی بن جاتی ہے" بالکل بے معنی ہے۔ رجعی طلاقوں کی عدت کے دوران رجوع سے پہلے بھی وہ اس کی بیوی ہی ہوتی ہے اور

رجوع کے بعد بھی بیوی ہوتی ہے، رجوع کرنا یا نہ کرنا اس کی زوجیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ اس عدت کے دوران عورت کی رضا مندی کے بغیر بھی مرد کو حق رجوع حاصل ہوتا ہے اور اسی کی دلیل قرآن کریم کے درج ذیل الفاظ ہیں:

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ. (الطلاق:۱)
جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے لیے طلاق دو اور عدت کو شمار کرتے رہو۔

اور یہ خطاب مردوں کو ہے، عورتوں کو نہیں...... اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ مطلقہ عورت خاوند کی زوجیت میں ہو۔ ورنہ غیر عورت کی عدت گننے کا کسی کو کیا حق حاصل ہے؟

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ جب عورت کو تین طلاقیں دے دی جائیں اور عدت گزر جائے تو وہ عورت بالکل غیر عورت کی طرح نہیں کہ اسی سے نکاح کیا جا سکے۔ جیسا کہ سوال کی آخری سطور میں ہے کہ:

البتہ جب ایام عدت گزر جائیں تو وہ عورت بالکل غیر عورت کی طرح ہوگی، اب اس سے بھی نکاح کیا جا سکتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

ایسی عورت بالکل غیر عورت کی طرح نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ایسی عورت ہوتی ہے جسے اس کا خاوند تین طلاقیں دے چکا ہے اور یہ اب اس پر حلال نہیں ہو سکتی، تا آنکہ یہ عورت اپنی رضا مندی سے (بغیر حیلہ جوئی کے) کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر وہ مرد اپنی رضا مندی سے کسی وقت اسے طلاق دے دے یا مر جائے، تو اس صورت میں ہی یہ عورت عدت گزارنے کے بعد اپنے پہلے خاوند پر حلال ہو سکتی ہے اور اس پر دلیل سورہ البقرہ کی آیت ۲۳۰ ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ"

(۴) اور چوتھی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی مطلقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کر لیا تو آیا پہلے نکاح کے دوران دی گئی طلاقیں محسوب ہوں گی یا نہیں؟...... بالفاظ دیگر کیا وہ جمع رہتی ہیں یا باطل ہو چکی ہوتی ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے نکاح کے

دوران دی ہوئی طلاق یا طلاقیں محسوب نہیں ہوں گی۔ اس نکاح کے بعد مرد کو اسی طرح تین طلاقیں دینے کا حق حاصل ہوگا، جس طرح پہلے نکاح کے وقت تھا۔ کیونکہ یہی بات نکاح و طلاق کے متعلق بتائے ہوئے شرعی قوانین کے مطابق ہے۔ اور جو لوگ پہلے نکاح کی طلاقیں بھی شمار کرنے بیٹھ جاتے ہیں تو اس کا بار ثبوت ان پر ہے، ہم پر نہیں ...... ہم آخر کیوں ایسی باتوں کا سراغ لگائیں یا ان کے دلائل تلاش کریں، جو شرعاً اور عقلاً دونوں طرح سے غلط معلوم ہوتی ہیں؟

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہے کہ جو مرد و عورت ایک دفعہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے ہیں حتی الامکان ان میں جدائی بذریعہ طلاق کی نوبت نہ آئے۔ اسی وجہ سے باہمی تنازعہ کی صورت میں فریقین سے ثالثی سمجھوتہ کا حکم دیا گیا' حیض کی حالت میں طلاق کو ممنوع قرار دیا گیا، طلاقیں ایک کی بجائے تین مقرر ہوئیں' وقفہ وقفہ پر عدت کے دوران بیوی کو ایام عدت خاوند کے گھر پر گزارنے کا حکم دیا گیا اور اس دوران نان ونفقہ اور سکنیٰ کا بار خاوند پر ڈالا گیا تاکہ کسی وقت بھی میاں بیوی کو مل بیٹھنے کا موقع میسر آتا رہے اور ازدواجی تعلق میں اللہ تعالیٰ نے ایسے تاثیر رکھ دی ہے کہ بعض دفعہ میاں بیوی کے تنازعات اس ذریعہ سے ازخود ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن فقہ حنفی والوں کا مزاج اس سے مختلف نظر آتا ہے وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین شمار کر لیتے ہیں اور اگر خاوند اپنی بیوی کو محض ڈاک میں طلاق بھیج دے، خواہ عورت اپنے میکے میں بیٹھی ہو تو ان میں مفاہمت کی صورت نہیں سوچتے۔ البتہ ایسی طلاقوں کو موثر قرار دے دیتے ہیں۔ اس کے برعکس جہاں کتاب وسنت کی روشنی میں فی الواقع جدائی کی نوبت آ جاتی ہے، یعنی طلاق بائنہ' تو اس وقت انہیں فریقین میں شارٹ کٹ یعنی حلالہ کا نکاح بھلا معلوم ہونے لگتا ہے...... حالانکہ ایسا نکاح حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ نے حلالہ نکالنے والے اور نکلوانے والے' دونوں کو ملعون قرار دیا ہے۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

❁❁❁

''ایک مجلس کی تین طلاقیں'' — برصغیر پاک و ہند میں اس لحاظ سے ایک نہایت اہم مسئلہ ہے کہ فقہی جمود میں مبتلا علماء نے اس کی وجہ سے عوام کو سخت پریشانی سے دوچار کر رکھا ہے۔

اسلام میں بہ یک وقت تین طلاقیں دینا یکسر ناجائز' منشائے الٰہی کے خلاف اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی رو سے کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء و مذاق ہے۔

مذکورہ علماء اسے نافذ کر کے عوام کے گھر اجاڑتے ہیں یا انہیں حلالے جیسے ملعون کام اور بے غیرتی اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کی پرحکمت تعلیمات اور منشائے الٰہی سے بھی گریز کرتے ہیں۔ ستم بالائے ستم اسے قرآنی آیت کا مفہوم' حدیث رسول کے عین مطابق' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف باور کراتے اور اس پر اجماع امت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں انہی دعووں کا جائزہ لیا گیا ہے' ان کے دلائل کو پرکھا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ علمائے احناف کا موقف فقہی جمود پر مبنی ہے' وہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے' نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منشا۔ اسی طرح اس پر اجماع امت کا دعویٰ بھی بے بنیاد ہے۔

فاضل مصنف' مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کا انداز بیان محققانہ بھی ہے اور ناصحانہ بھی' نیز ان کی یہ کتاب دیگر کتابوں کی طرح نہایت مفید بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔

جزاہ اللہ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء

حافظ صلاح الدین یوسف

مدیر شعبۂ تحقیق و تالیف و ترجمہ

دارالسلام لاہور

جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ

اگست ۲۰۰۴ء